188651

text cut book only text
light book problem

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188651
UNIVERSAL
LIBRARY

10796

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۲۲۵۹۷۸ Accession No. ۱۰۷۹۶

Author

Title تذکرہ علامہ عبدالقیوم صاحب مرحوم

This book should be returned on or before the date last marked below.

Checked 1973

سلسلۂ تالیفات انجمن طلبہ قدیم دار العلوم حیدرآباد دکن

نشان (۵)

تذکرہ ملا عبد القیوم صاحب مرحوم

مطبوعہ تاج پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن

طبع اول ۵۰۰

قیمت ۴؍

۸۵ف ۶۹۷ ۱۰
تا
۱۰۸۱
Checked
۱۳۵۱ھ

فہرست مضامین

نشان سلسلہ	عنوان	نام ناثر یا شاعر	صفحہ
۱	موت العالم موت العالم	مولوی فاضل منشی فاضل محمد اکبر علی صاحب مہتمم صحیفہ	۱
۲	تعزیت نامہ	شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی	۳۱
۳	تعزیت نامہ	مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنت	۳۳
۴	قصیدہ عربی	مولوی سید محمد صاحب ہاشمی صوفی	۳۴
۵	قطعہ فارسی	منشی مرزا نثار علی بیگ صاحب اعزاز	۳۵
۶	نظم اردو	سید سیف الدین صاحب شباب	۳۶
۷	نظم اردو	مولوی شاہ سید ابراہیم صاحب عفو	۳۸
۸	دو آنسو	مولوی سید رضی الدین حسن صاحب کیفی	۴۰
۹	قطعہ تاریخ	مولوی ابوالفصاحت محمد منور صاحب گوہر	۴۱
۱۰	جلسہ ہائے تعزیتی	از اخبارات مشیر دکن و مخبر دکن	۴۲
۱۱	خاتمہ	مولوی فاضل محمد مرتضی صاحب	۴۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سوانح ملا عبد القیوم صاحب مرحوم

موت العالم موت العالم

ماخوذ از رسالہ صحیفہ ماہواری

ہمارے فخر قوم ملا عبد القیوم صاحب کی غیر مترقبہ اور بے وقت موت ایک ایسا جانگداز اور روح فرسا حادثہ ہے جس کا اثر صرف مرحوم کے خاندان، اور دوست احباب تک ہی محدود نہیں رہ سکتا۔ بلکہ ہندوستان سے لیکر ممالک اسلامیہ تک عام ماتم کا موجب ہے۔

مرحوم نے اپنی ذاتی خدمات اور قومی کاموں سے "ایک ایسی عالمگیر شہرت حاصل کر لی تھی جس سے ہندوستان کا نام غیر ممالک اور غیر اقوام میں چمک اٹھا تھا اور انہوں نے اپنے وجود سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی سرزمین ہند۔ صاحب دل اور باہمت لوگوں کو پیدا کر سکتی ہے۔

مرحوم نے اپنی صلح پسندی اور حسن اخلاق سے ایسی ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی کہ مسلمان ایک طرف، ہندوں نے بھی اپنے مندروں اور شوالوں میں مرحوم کے لئے دعائے مغفرت مانگی تاریخ میں ایسی نظیریں بہت کم ملینگی کہ ایک ایسا شخص جو دنیوی جاہ و حشمت نہ رکھتا ہو اور متوسط الحال لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہو صرف اپنی ہمدردی بنی نوع حسن معاشرت اور اخلاق حمیدہ کی وجہ سے غیر اقوام میں اسقدر مقبول ہو کہ انہوں نے اس کی وفات پر رنج و افسوس کے آنسو بہاتے ہیں اور اپنے معابد میں اسکے لئے دعائے مغفرت مانگی ہو اس میں شک نہیں کہ دنیا۔ اہل کمال اور صاحب ہند لوگوں سے خالی نہیں رہ سکتی۔

لیکن یہ بہت کم دیکھا گیا ہے کہ زمانہ نے ایسے جامع الاخلاق، اور متضاد صفات والے اشخاص کو پیدا کیا ہو۔ ہندوستان میں بہت سے جیّد عالم و فاضل پیدا ہونگے بہت سے باہمت اور صاحب دل بھی نکلیں گے۔ بہت سے ہردلعزیز اور صلح پسند لوگ بھی دکھائی دینگے بہت سے خوش اخلاق اور شگفتہ مزاج حضرات بھی نظر آئینگے، لیکن ایسا شخص جو اپنے علم و فضل کے ساتھ، دیانت و تقوی بھی رکھتا ہو۔ زندہ دل بھی ہو۔ اور مہذب و متین بھی جہاں وہ دینی حمیت اور قومی محبت رکھتا ہو۔ وہاں وہ ایک غیر متعصب اور صلح پسند انسان بھی ہو۔ صدیوں میں بھی ملجائے تو غنیمت ہے لیکن موجودہ حالت کے لحاظ کرتے، اور رفتار زمانہ پر نظر ڈالتے ہوئے یہ امید نہیں پڑتی کہ مسلمانوں کی قسمت اس فرد فرید کی تلافی کر سکے۔ اور اس کے بدل سے اس حادثہ کا جبر نقصان ہو سکے۔

سرپرست مرحوم کی وفات سے جو جو نقصان ہوئے ہیں، انمیں ملک قوم کے لئے سب سے زیادہ رنجدہ امر یہ ہے کہ صدر مجلس چندہ حجاز ریلوے، مجلس دائرہ المعارف مجلس اقامت چندہ ٹکنیکل ایجوکیشن، اور سب سے اخیر میں انجمن معارف کا سرپرست، حامی، فدائی، اور چشم و چراغ نہیں رہا۔ اب کون ہے! جو ان ذرات پریشان کو مجتمع کرے! کون ہے جو انکے لئے اپنی آسایش و راحت اور جان و مال قربان کر دے! کون ہے جو انکے لئے طرح طرح کے نقصانات اٹھائے اور تکالیف برداشت کرے! لیکن خود انکو کسی نقصان کا روادار نہو۔ اور ان پر کسی طرح کی آنچ نہ آنے دے۔ کیا ایسے شخص کے ماتم میں ایک عالم کا ملال انگیز ہونا کوئی تعجب خیز امر ہے! کیا ایسے فرد کامل انسانی کا انتقال۔ "موت العالِم موت العالَم" کا مصداق نہیں ہے۔

مسلمانان ہند عموماً اور اہل حیدرآباد خصوصاً، اگر اپنے ہواخواہوں اور ہمدردوں کی قدر کرنی جانتے ہیں اور انکو اپنے جانثاروں اور فدائیوں کی عزت و حرمت کا کچھ بھی پاس و لحاظ ہے تو ہمکو امید ہے کہ وہ جناب ملا عبدالقیوم صاحب مرحوم و مغفور کی سے

جامع الاخلاق، یکتائے آفاق، جان نثار اور خیر خواہ کی کوئی نہ کوئی ضرور یادگار قایم کرینگے۔
ملا صاحب کی علالت کا سلسلہ ۲ ماہ تک رہا۔ قلب اور جگر کا عارضہ تھا جس سے سانس لینے میں سخت تکلیف ہوتی اور نیند بالکل اچٹ گئی تھی ابتدا میں مختلف طبیبوں کا علاج ہوتا رہا جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ وفات سے ایک ہفتہ قبل ایک مشہور ڈاکٹر کا علاج شروع کیا گیا۔ اس دفعہ بہ نسبت سابق کے طبیعت کو بہت کچھ افاقہ ہوگیا تھا تمام خاندان کو خوشی ہو چلی تھی کہ اب وہ بہت جلد صحت یاب ہو جائینگے۔ لیکن ؎

مَا کُلُّ مَا یَتَمَنَّی المَرْءُ یُدْرِکُہٗ
تَجْرِی الرِّیَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِی السُّفُنُ

الثوم ۱۹۰۶ء

۹ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ کی صبح کو نماز سے فارغ ہو کر وہ پلنگ پر بیٹھے ہوے اپنے بڑے بھائی، مولوی محمد عبد الحی صاحب سے باتیں کر رہے تھے، کہ ایک کھانسی آئی۔ جب دوسرے دفعہ کھنکارے تو دم اکھڑ گیا۔ اور دو ایک منٹ میں طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

اس سخت علالت کے زمانہ میں بھی، جبکہ انکو حرکت کرنا، اور زبان سے کچھ بولنا تک دشوار تھا، ہمیشہ نماز وظیفہ کے پابند رہے۔ اور نہایت دلچسپی کے ساتھ دائرۃ المعارف، اور چندہ حجاز ریلوے وغیرہ کا کام انجام دیا کئے۔ اس حالت میں بھی انہوں نے لوگوں کے حوائج پورے کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ ملاقاتیوں سے نہایت خندہ پیشانی۔ اور خوش اخلاقی سے ملتے تھے، اور اپنی تکلیفیں نہایت صبر و تحمل سے ضبط کرتے تھے، جس رات کی صبح کو انتقال ہوتا ہے۔ انکے بھانجے مولوی ابو القاسم سید محمد صاحب جب ان سے (گلبرگہ جاتے ہوئے) رخصت ہونے لگے، تو انہوں نے درد و رقت سے چند اشعار پڑھے، جنمیں سے دو یہ ہیں۔

جاں بجاناں دہ۔ دگر نہ از تو بستاند اجل ❊ خود تو منصف باش اے دل ایں نکو یا آں نکو؟

ایں جاں عاریت کہ بحافظ سپردہ دوست

روزے رخش بہ بینم و تسلیم وے کنم

مرحوم کو اپنے مرنے کا خیال ایک عرصہ سے پیدا ہو گیا تھا اور دنیوی زندگی سے ان کا دل بالکل سیر ہو چکا تھا، انہوں نے چودہ پندرہ سال پیشتر سے شیخ کے روضہ (واقع گلبرگہ) میں اپنی قبر کھدا رکھی تھی اور اپنی زندگی میں ہی اپنا کفن تیار کر رکھا تھا انہوں نے اسقدر مصائب اٹھائے تھے کہ معمولی دل و جگر کا آدمی کسی طرح انکو برداشت نہیں کر سکتا، باوجود ان تمام باتوں کے وہ لوگوں سے زندہ دلی اور خوش خلقی سے پیش آتے تھے کہ اجنبی شخص ان کی اندرونی حالت اور دلی کیفیت کا بالکل اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔

غرضکہ وہ ایک ایسے باکمال اور جامع الاوصاف بزرگ تھے کہ انکی زندگی قوم و ملک کے لئے محاسن اخلاق، اور نیکیوں کی ایک قابل تقلید مثال ہے اس مختصر سے مضمون میں مرحوم کی زندگی کے تمام کارناموں کی گنجایش کہاں؟ جو کچھ لکھا جاتا ہے اسکو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہئے۔ ہمیں امید ہے کہ کوئی باہمت صاحب قلم انکے واقعات زندگی کو تفصیل سے جمع کرے گا اور اپنے ہم وطنوں کے سامنے انسانی منزل حیات کو نیکی اور خیر و خوبی سے کرنیکا ایک بہترین نمونہ پیش کریگا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام او

ملا عبد القیوم صاحب کی پیدائش تقریباً ۱۲۶۰ھ میں ہوئی۔ ان کا سلسلہ نسب جد کی

طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ اور ننھیال سادات حسنی و حسینی سے ہے۔
عین زمانہ میں مدراس علماء، فضلاء اور شعراء کا ماوا و ملجا تھا اور وہاں اہل فن اور صاحب
ہنر لوگوں کی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ انہی ایام میں حافظ محمد معروف، جو ملا صاحب
کے اجداد میں ہوتے ہیں۔ برہانپور سے وارد شہر مدراس ہوئے تھے، اور وہیں سکونت
اختیار کر لی تھی جب سلطنت مدراس میں تنزل اور انحطاط شروع ہوا تو عارف الدین
خان رونق (ملا صاحب کے پردادا) نے حیدرآباد کی طرف رخ کیا۔ ان کے بعد
اس خاندان کے تمام ممبروں نے اس سرزمین کو اپنا وطن بنا لیا۔ حکومت نے
ان لائق افراد کی بہت کچھ قدردانی فرمائی۔ اور مناصب عہدے اور منصب عطا کئے

ملا صاحب کے بچپن کا زمانہ اپنے والد کے ساتھ حیدرآباد میں گزرا، انکی ابتدائی
تعلیم مدرسہ دارالعلوم میں ہوئی تکمیل تعلیم کے لئے انہوں نے ہندوستان کا سفر
اختیار کیا اور اپنی طالب علمی کی منزل، نہایت جفاکشی، اور محنت سے طے کی
وہ خود بیان فرماتے تھے کہ میں اپنی جماعت میں نہایت ہوشیار، لائق، اور محنتی تھا
جب کبھی اوستاد بیمار ہو جاتا تو فرمایا کرتے۔ جاؤ لڑکوں کو سبق پڑھا دو وہ
فرط محبت سے مجھکو "ملا" پکارا کرتے تھے اون کی دیکھا دیکھی اور لوگوں نے
بھی، مجھ کو اوسی نام سے پکارنا شروع کیا۔ اسطرح سے میں تمام میں ملا مشہور ہو گیا

اگرچہ انہوں نے قدیم تعلیم پائی تھی، لیکن اسکے کارناموں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ
عام مولویوں کے برخلاف ضروریات زمانہ سے بخوبی واقف تھے ان کے مزاج میں کورانہ
تقلید اور بیجا تعصب کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ جن لوگوں نے اون سے لطف صحبت
اٹھایا ہے۔ اور انکی تحریرات اور طرز عمل کو دیکھا ہے۔ وہ ان تمام باتوں سے بخوبی آگاہ ہے
بات اصل میں یہہ ہے کہ یہ امر کچھ جدید اور قدیم تعلیم پر موقوف نہیں ہے
خدا نے جس کی طبیعت میں، سلامت روی، اور استقامت ودیعت

رکھی ہو وہ پانی کی سیلاب کی طرح اپنی طبیعت کے موافق رستہ نکال لیتا ہے
تکمیل تعلیم کے بعد وہ حیدرآباد آئے۔ اور پہلے پہل (۸۰) روپیہ کی جائداد پر
مامور ہوئے اپنی حسن کارگذاری لیاقت اور جفاکشی کی وجہ سے وہ بہت جلد ترقی
کر گئے ۱۲۹۴ ؁ف میں وہ مددگار ناظم تعلیمات ہوئے۔ اپنی مددگاری کے زمانہ میں
انہوں نے سررشتہ تعلیمات کے انتظامات کے متعلق جو اسکیم سرکار میں منظور
کرائی تھی۔ اس کو حیدرآباد کی تعلیمی اصلاح کا سنگ بنیاد سمجھنا چاہیئے چنانچہ
موازنہ کی دو لاکھ سے پانچ لاکھ تک افزائش اور اقامت کتب خانہ آصفیہ
وغیرہ امور انکی اس عہد کی قابل قدر یادگاریں ہیں۔ افسوس کہ ملا صاحب کا
تعلق سررشتہ تعلیمات سے بہت جلد منقطع ہو گیا۔ جسکی وجہ سے ان کی منظور شدہ
اسکیم کا نفاذ نہیں ہونے پایا۔ بعد میں سید علی صاحب بلگرامی ناظم تعلیمات مقرر ہوئے
اور ان تجاویز کا قالب بدل دیا گیا۔

۱۲۹۶ ؁ف میں وہ ڈپٹی کمشنر انعام صوبہ جنوبی مقرر ہوئے۔ دس سال تک
اس خدمت پر مامور رہے۔ اور اس عرصہ میں انہوں نے بیس ہزار مقدمے فیصل کئے اور
ہزاروں لوگوں کی انعامی جائدادیں بحال کر دیں۔ وہ ہمیشہ اپنی ملازمت میں یہ پالسی
رکھتے تھے کہ کسی طرح رعایا مرفہ الحال اور خوش رہے۔ انکا خیال تھا کہ سلطنت کا قیام
اس غرض سے ہوتا ہے کہ رعایا کے منافع اور فوائد کی تکمیل ہو جو اصول رعایا کے منافع
کی منافی ہوں وہ ہرگز مستحکم اور استوار نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اساس سلطنت کو بودا اور منہدم کر دیتے ہیں
اسی بنا پر انہوں نے ان سرکاری تقیدات کی پابندی نہیں کی جو بحالی انعام میں نا
واجبی طور پر مزاحمت پیدا کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنی آزادی پسند پالسی سے حتی الوسع رعایا کو
مرفہ اور خوشحال رکھنے کی کوشش کرتے رہے۔ اس زمانہ میں سمت جنوبی کے انعامات
حالت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ برادری کی جھگڑوں اور غیروں کے بیجا تصرفات سے معاملات میں

ایسی الجھن پڑی ہوئی تھی جسکا سلجھنا دشوار ہوگیا تھا۔ ان واقعات کے لحاظ سے ملا صاحب کا کام کے یکسو کرنے میں اس قدر کامیابی حاصل کرنا ایک حیرت انگیز امر ہے۔

اس کے بعد ۱۳۰۶ف میں وہ ننگسگور کے اول تعلقدار بنائے گئے۔ یہ ضلع سالہا سال سے قحط اور بے ہنگامی کا شکار ہو رہا تھا۔ ملا صاحب نے اس بلا کو دفع کرنیکی غرض سے ذرائع آب پاشی کے نہایت مفید تجاویز سرکار میں پیش کیں۔ جو نہایت مقبول ہوئیں۔ اور نظر پسندیدگی دیکھی گئیں۔ انھوں نے نہایت قلیل عرصہ میں ضلع کی مالی اور انتظامی حالت کو بدل دیا۔ اور اپنی انصاف پسندی وعدالت کی وجہ سے رعایا کے نزدیک بہت ہر دلعزیز اور مقبول رہا کئے۔ ایک دن وہ آبدیدہ ہوکے فرماتے تھے کہ "میں ... ... سے ننگسگور کی چھاونی کو جارہا تھا۔ والنٹیریل کور کے فوجی لباس میں ایک عربی گھوڑے پر سوار تھا جب میرا گذر تالاب پر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ پچاس ساٹھ آدمی تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے روٹی کھارہے ہیں انکے قریب گیا اور پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ اور کہاں سے آرہے ہو؟ انہوں نے مجھے ایک فوجی افسر سمجھکر جواب دیا کہ ہم تعلقہ شاہ پور کے (جو ضلع سے) ۶۰ میل دور ہے۔ رہنے والے ہیں ایک مقدمہ کی پیروی کیلئے آرہے ہیں میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا کسی وکیل کو بھی مقرر کیا ہے یا نہیں؟ انہوں نے یہ سنتے ہی نہایت جوش کے ساتھ ایک زباں ہوکر کہا کہ "ہمکو کسی وکیل کی ضرورت نہیں ہمارا تعلقدار خود ہمارا وکیل ہے وہ خلاف واقعہ اور خلاف روئداد کوئی فیصلہ نہیں کرتا۔

انکی ہر دلعزیزی کا ثبوت اس سے بھی مل سکتا ہے کہ جب وہ طاعون کے مقدمہ میں حیدرآباد طلب کئے گئے تھے۔ تو کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا تھا جسمیں رعایا کیطرف تعلقدار کو ضلع پر بھیجدینے کیلئے عرضیاں نہ آتی ہوں نیز جب وہ اس مقدمہ میں وظیفہ یاب ہوگئے تو کئی راجاوں نے (جنکے نام درج کرنا ہم مناسب نہیں سمجھتے)

اس مضمون کے خطوط بھیجے کہ ہم اپنی آمدنی کا اس قدر حصہ آپکی خدمت میں پیش کرنے تیار ہیں لیکن ملا صاحب نے اپنی عالی ہمتی اور بلند حوصلگی سے اس کو منظور نہیں فرمایا۔

ملا صاحب کے کارنامۂ ملازمت کا خاتمۂ پلیگ کے مشہور و معروف واقعہ پر ہوا اس مقدمہ میں انہوں نے سرکار اور رعایا کے ساتھہ جو کچھہ خیرخواہی اور وفاداری کی، اس سے تمام حیدرآبادی پبلک اور اخباری دنیا بخوبی واقف ہے ہر قوم اور ہر طبقہ کے اخبارات میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور روشنی ڈالی گئی ہے خصوصاً مخبر دکن میں اس کے متعلق کئی مہینوں تک مفصل آرٹکل چھپتے رہے ہیں جن میں اس مقدمہ کا کچا چٹھا اچھی طرح درج ہے۔ یہاں اس کے تفصیلی حالات اور پوست کندہ واقعات تحریر کرنا ہم بے موقع اور نامناسب خیال کرتے ہیں اگر کسی شخص کو ان حالات کی یاد تازہ کرنی منظور ہو تو وہ مخبر دکن کے فائیل اٹھا کر دیکھہ سکتا ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ کارساز حقیقی کے تمام کام اسباب و علل پر مبنی ہوتے ہیں لیکن جن امور کے اسباب و علل مخفی رہتے ہیں اور عام نظریں ان تک نہیں پہنچ سکتیں انکی نسبت عوام کا خیال ہوتا ہے۔ کہ یہ غالباً، سخت و اتفاق کے نتائج ہیں۔ لیکن حقیقت شناس اصحاب کے نزدیک وہ سب کام نہایت مفید اغراض و مقاصد پر مبنی ہیں۔ ملا صاحب کے قبل از وقت وظیفہ یاب ہو جانے کے متعلق اگر عوام الناس بخت و اتفاق کے قایل ہوں اور ان کی عقل میں اس فعل خداوندی کی کوئی مصلحت نہ آئی ہو تو یہ اور بات ہے۔ مگر ہم کو تو اس پر یقین کامل ہے کہ خداوند تعالٰی کی اسمیں بڑی حکمت تہی اوس کا یہ فعل، قوم و ملک اور خود ان کی ذات کیلئے ایک قابل قدر نعمت ہے۔ بہت اچہا ہوا کہ انہیں قید ملازمت سے جلد رہائی ملگئی جس سے یہ قومی کاموں میں آزادی کے ساتھہ بے روک ٹوک مصروف ہونے کا عمدہ موقع ہاتھہ آیا۔ اگر وہ سرکاری خدمات کی جگہ بند

پھنسے رہتے، تو اس قدر تن دہی اور مصروفیت کے ساتھ، اپنے آخری ایام زندگی کو قومی کاموں کے سرانجام میں نہیں بسر کر سکتے، اسی خیال سے وہ خود بھی اپنی وظیفہ یابی پر نہایت خوش تھے، اور ہمیشہ اپنے خطوط میں اپنی اس مسرت کا اظہار کرتے رہتے۔

با محنت و اندوہ قرینم کردی	محتاج بیک نانِ جوینم کردی
این مرتبۂ مقربانِ درِ تست	آیا بچہ خدمت این چنینم کردی

انھوں نے اپنی مدتِ ملازمت میں نہ صرف اپنے فرائضِ منصبی کو لیاقت، خیر خواہی اور جفاکشی کے ساتھ انجام دیا۔ بلکہ بہت سے قومی اور ملکی امور کی اقامت، اور بعدازیں بھی اپنی سعی و کوشش سے کامیابی حاصل کی، جس سے انھوں نے ثابت کر دیا کہ انسان کے دل میں اگر جذب قومی اور ہمدردی ملکی ہو تو وہ ہزار تقیدات اور جکڑبندیوں پر بھی قوم و ملک کی خدمت کر سکتا، اور اسکو نفع پہنچا سکتا ہے۔ جو لوگ اپنی ملازمت کو قومی کاموں میں حصہ نہ لینے کا عذر و حیلہ گردانتے ہیں۔ دراصل ان کے دلوں میں قومی محبت کی چینک اور قومی کاموں کی رغبت ہی نہیں ہوتی ہے۔ ورنہ فدایانِ قوم کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ

بہر کجا کہ روم وصفِ یار می گویم	برائے یار فروشی دکان نمی باید

جس زمانہ میں وہ مددگار ناظم تعلیمات تھے حیدرآباد کی تعلیمی حالت کو انھوں نے نہایت گھٹا ہوا پایا تھا چنانچہ سرشکن اور اوسط فیصدی نکالنے سے معلوم ہوا کہ ہمارا ملک تعداد مدارس و مدرسین و طلبہ کے لحاظ سے نہایت پست اور سطحی حالت میں ہے۔ پہلے پہل ازدیاد تعداد طلبہ کے خیال سے یہ اقدام کی تھی کہ زمینداروں، جاگیرداروں، اور معاشداروں کے

لڑکوں کی تعلیم جبری کر دیجائے تاکہ تعدادِ طلبہ میں سردست معتد بہ افزائش ہو جائے۔ اسی غرض سے انھوں نے ناظم صاحب تعلیمات سے درخواست کی تھی، کہ کونسل آف اسٹیٹ جسکے وہ اس وقت معتمد تھے، اس بارہ میں ایک اسکیم پاس کرائی جائے۔ ابھی یہ مسئلہ کونسل میں پیش نہیں ہونے پایا تھا کہ سررشتۂ تعلیمات سے ملا صاحب کا تعلق اٹھ گیا اور تجویز بھی مثل اور تجاویز تعلیمیہ کے، ناتمام ہی رہی لیکن جب وہ ڈپٹی کمشنر انعام صوبۂ جنوبی مقرر ہوئے، اور اپنے دورے میں انکو معاشداروں کے تفصیلی حالات دریافت کرنے کا موقع ملا۔ اور اس گروہ سے ذاتی سابقہ پڑا۔ تو انھوں نے اس طرف دوبارہ توجہ کی، اور غور و فکر کی بعد یہ رائے قایم کرلی، کہ نہ صرف معاشداروں کی اصلاح بلکہ تمام اہل ملک کی ترقی تعلیم جبری اختیار کیے بغیر ناممکن ہے۔

اسی خیال سے انہوں نے ایسے نقشے مرتب کرنے شروع کیے، جن سے معلوم ہو جائے کہ اطفال صغیر اندرون ہفت سالہ کتنے ہیں، سات سے تیس سال تک کی عمر والے کتنے ہیں اور ان سے متجاوز کتنے ہیں تاکہ غیر قابل تعلیم (بوجہ صغر و کبر) اور قابل تعلیم اطفال کی صحیح مقدار معلوم ہو جائے۔ جب ایسے تفصیلی نقشے مرتب ہو گئے، اور معلوم ہوا کہ قابل تعلیم اطفال کی، ایک معتد بہ مقدار میسر آسکتی ہے، تو انہوں نے سرکار میں ایک رپورٹ پیش کی، جس میں سردست افتتاح مدرسہ سرداران (چیفس کالج) کی تحریک کیگئی تھی، رپورٹ کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

"جس طرح تعلیم اعزہ کی ضرورت خود معاشداروں کو ہے، اسیطرح بلحاظ تعلقات ملکیہ و اغراضِ انتظامیہ سرکار کو بھی اسکی ضرورت ہے۔

اکثر معاشدار، تعلیم و تربیت کے خیال سے اپنے اطفال کو صدر مقام صوبۂ گلبرگہ میں روانہ کرنیکے لئے آمادہ ہیں۔ معاشداروں کے اطفال کی تقسیم، بلحاظ انکی معاش کی قلت و کثرت، اور تحمل اخراجات تعلیم کے دو طرح پر ہونی چاہیے

ایک وہ جو ہمہ مقام پر تعلیم و تربیت پائیں، دوسرے وہ جو اضلاع و تعلقات کے مدارس میں داخل کئے جائیں۔

چونکہ یہ معاشدار، قوم، مذہب، او پیشہ کے اعتبار سے مختلف ہیں، اس لئے ان کی تعلیم ایک ہی طریقہ پر نہ ہونی چاہئے، بلکہ مشیخت، سجادگی، زمینداری، سپہ گری، او آبائی روسے جد اجداد طرز پر دیجانی چاہئے۔ تاکہ وہ اپنی حیثیت، اور حالت معیشت و معاشر علیحدہ نہونے پائیں۔ اور اپنے خاندانی امتیازات، اور اعزازات کو محفوظ و مصئون رکھ سکیں۔"

اس رائے سے صوبہ دار صاحب گلبرگہ (نواب یار جنگ بہادر) نے پورا اتفاق فرمایا اور سرکار سے افتتاح مدرسہ کی درخواست کی جسکو نواب سر آسمانجاہ بہادر نے برضاو رغبت منظور فرمایا۔ اور شملہ سے لوٹتے وقت بتاریخ ۵ ذیحجہ ۱۳۰۵ھ رسم افتتاح ادا کی وقت افتتاح بڑے بڑے راجہ، جاگیردار، اور معاشدار شریک تھے۔ نواب صاحب کلیانی اور صوبہ دار صاحب نے تقریریں کیں جو رسالہ تعلیم جبری (مصنفہ ملا صاحب مرحوم) میں مفصلاً درج ہیں۔

اس تمام کارروائی اور ابتدائی زور وشور کے باوجود مدرسہ کے اخراجات کی منظوری اور تقررات وغیرہ چار سال تک دفتری جھمیلہ میں ڈالدیے گئے۔ آخر بہزار خرابی ۱۲۹۹ف کے اخیر میں اخراجات کی باضابطہ منظوری ملی۔ اس عرصہ میں نہ وہ ذوق و شوق باقی رہا، نہ وہ صوبہ دار جیسے معاشداروں کے فدائی تھے، اور نہ وہ انتظام مدرسہ۔ ۱۳۱۶

افتتاح مدرسہ سے پہلے ملا صاحب نے تعلیم جبری کی تحریک ذریعۂ مراسلہ مؤرخہ ۲۱ صفر ۱۳۰۴ھ معتمد پولٹیکل فینانس کر دی تھی، اور نواب محسن الملک بہادر نے بھی اس سے اپنا اتفاق ظاہر فرمایا تھا لیکن متواتر تحریرات اور یاد دہیوں کے باوجود سرکار سے

اِس بارہ میں، کوئی حکم صادر نہیں ہوا! بلکہ سکوتِ محض اختیار کیا گیا!

مولوی چراغ علی خاں بہادر (نواب اعظم یارجنگ صوبہ دار گلبرگہ) کی کوشش بھی لڑکے مدرسہ میں فراہم نہیں ہو سکے۔ صوبہ دار صاحب نے ملا صاحب کو، تحریراً و تقریراً اِس طرف متوجہ کر دیا! تاکہ وہ پھر اِس درس و تدریس کے سلسلہ کو جاری اور منتظم کر دیں۔ انھوں نے بحیثیت معتمد مجلسِ انتظامی مدرسۂ سرداران و عہدہ ڈپٹی کمشنر انعام، تمام تعلقات پر یہ حکم جاری کر دیا کہ بالجبر اطفال جمع کرا دیے جائیں چنانچہ جوق جوق اطفال حاضرِ مدرسہ ہونے لگے اور نہایت سرگرمی سے تعلیم و تدریس سلسلہ جاری ہو گیا۔ لیکن دو ایک جاگیردار، اس جبری حکم کی بابت متعذر ہوئے صوبہ دار صاحب نے، جبر نہ کرنے کے لئے، تمام تحصیلداروں پر فرمان صادر فرما دیا! اور ملا صاحب سے اس بے ضابطگی کی بابت جواب طلب کیا۔

اِس حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو لڑکے آنے والے تھے۔ وہ رک گئے، اور جو آ گئے تھے وہ بھی یکے بعد دیگرے واپس چلے گئے۔ حتیٰ کہ ہفتہ عشرہ کے اندر اندر، مدرسہ، پھر ویسا کا ویسا، سنسان ہو گیا۔ ملا صاحب نے بغرضِ رفعِ الزام مختار الملک بہادر کے عہد کی اس گشتی کو پیش کر دیا! جو جریدہ اعلامیہ مطبوعہ ۲ رجب سنہ ۱۲۹۲ آئین، صفحہ ۹۰ اپر شائع ہو چکی ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے۔

"بہ جمیع تعلقداران و ناظمِ مداخل و مہتمم تعلقاتِ صرفخاص، نگارش است کہ انعامداران، و یومیہ داران وغیرہ را، کہ راتبہ خوارانِ سرکار اند ہدایت کردہ شود، تا کودکانِ خود ہا را بمدارسِ سرکاری بفرستند، و از دولتِ علم تمتع کافی بردارند! و اگر فرستادنِ اطفال ابا کنند یا عذرے پیش آرند، وظیفہ مقررہ بند کردہ خواہد شد"

اِس جواب کے بعد ملا صاحب نے، صوبہ صاحب کی اس مزاحمت و مخالفت کی وجہ سے

سرکار میں اپنے عہدۂ معتمدی سے استعفا دیدیا، مگر سرکار نے تار کے ذریعے تصفیہ ہونے تک بدستور اجرائی کار کی ہدایت فرمائی۔ اور اُنکے حسبِ منشا تصفیہ کرنے کا وعدہ کیا۔

عالیجناب ناظم صاحب تعلیمات، اور نواب وقار الملک بہادر نے بھی اپنی مزید رائے کیساتھ، انکی اس تحریک سے اتفاق فرمایا۔ سرکار نے اِن مختلف آراء کا فیصلہ نواب وقار الامراء بہادر سے (جو اُس وقت معین المہام فوج تھے) چاہا۔ نواب صاحبِ ممدوح نے، اولاً صوبہ صاحب کی رائے سے اتفاق کیا تھا۔ مگر اسکے بعد مُلا صاحب مرحوم کے دلائل پر غور کرنے سے اپنی پہلی رائے کو بدل دیا۔ اور سرکار میں اِس تحریک کے اِجرا کی سفارش فرمائی،

مُلا صاحب نے اس بارہ میں جو طولانی نظم نواب صاحب کے ملاحظہ میں گذرانی تھی اسکے چند اشعار درج ذیل ہیں۔

عرضم قبول کن کہ ہوا خواہِ دولتم — تعلیم ملک باشد ازیں پایہ پایدار
از جہل و صد خرابیٔ اطفالِ بے پدر — حکام را چرا نبود ہیچ انزجار
مربیٔ کسی کہ ہیچ مبادا ہیچ کس — دل سوزد و ہمی شود دم بدم اضطرار
یعقوب وار اگرچہ بسوزیم بر پسر — او بر جگر و باید گر فرقش آشکار
اطفال راست جملہ بدرگاہت التماس — بر صورتِ مصالحِ ایشاں نگاہدار
گر وارسی بحالِ خرابیٔ ایں کساں — گشتہ است بد معاش گروہِ معاشدار
در نشرِ علم کوشش، و ترویجِ معرفت — تعلیم نیست مایۂ تشویر و انتشار
القصہ اندریں کہ دو رائے مختلف — در جبر و اختیار چہ راہ است استوار
گفتست طفل من نروم۔ لیک می برد — جبر است در طریقۂ تعلیم، اختیار
تہذیبِ انتظامِ سیاسی تمامتر — بے جبر و قہر نظم نگردید، در دیار

غرض یہ کہ ملا صاحب نے سرکار میں اشاعت تعلیم جبری کیلئے بیحد کوشش فرمائی اپنی ذاتی وجاہت و رسوخ سے کام لیا۔ اور عہدہ دار و خواص کو اس طرف متوجہ کیا۔ رعایا کو اس تحریک سے اظہار خوشنودی و رضامندی پر آمادہ کیا۔ اور اپنی طرف سے کوشش کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ اسی بنا پر سر آسمانجاہ بہادر نے وعدہ بھی فرمالیا تھا کہ اعلیحضرت بندگانعالی متعالی کا فرمان اشاعت تعلیم جبری کیلئے جاری کرا دیا جائیگا۔ لیکن سلطنت میں غیر مترقبہ انقلابات ہو جانے سے اور پولیٹکل پیچیدگیاں اور الجھنیں بڑھ جانیسے یہ کارروائی ابتک کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ اور باوجود بیحد پیروی کرنے اور توجہ دلانیکے کارپردازان سرکار نے کبھی اس پر اپنا التفات نہیں مبذول فرمایا

ملا صاحب اس پر بھی ہمت نہیں ہارے۔ اور سرکار، نظمائے سلطنت اور اہل ملک کو اس تحریک کے اجراء پر آمادہ و راغب کرنے کے لئے ایک کتاب تصنیف فرمائی جسمیں نہایت بسط و تفصیل سے ثابت کیا تھا۔ کہ تعلیم جبری عقل و نقل کی رو سے سلطنت پر فرض ہے اور تمام ممالک متمدنہ نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کی خیال سے اس طریقہ کو رائج کر دیا ہے ہماری سلطنت و قوم بھی اس طریقہ کو اختیار کئے بغیر گرداب ہلاکت سے نجات نہیں پا سکتی۔ افسوس ہے کہ ایسے فدائی قوم و ملک کی یہ آواز قوم و ملک کے واسطے کچھ مفید و موثر نہ ثابت ہوئی اور کسی نے بھی اس پر کان نہ دہرا۔ اب آیندہ ہمیں امید نہیں کہ ہمارے ملک سے کوئی ذی شعور اور باہمت شخص اس طرف توجہ کرے اور یہ بیل منڈھے چڑھنے پائے۔ ؎

یار پیش پروا، وما را آرزوے دل بسے ۔۔۔ کار خواہد بود یا یا رے چنیں مشکل پسند

ملا صاحب کے واقعات زندگی میں ان کی مہتم بالشان اور مفید ملک تصنیف یعنے

رسالہ تعلیم جبری کے متعلق کچھ نہ لکھنا سخت ناانصافی ہوگی۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے جس شخص نے اس طرف توجہ کی وہ یہی شخص تھا۔ چنانچہ گذشتہ صفحات میں اس خیال کے پیدا ہونیکے اسباب اور اس کے تفصیلی واقعات بیان ہوچکے ہیں یہاں ہم ابھی مذکورہ بالا تصنیف پر کوئی ریویو نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ ان کے سوانح نگار کا فریضہ ہے۔ اور ان امور کا ذکر کچھ وہیں زیادہ تر چسپاں اور مناسب ہوگا۔ البتہ ناظرین کی دلچسپی اور تعلیمی ابواب میں ابنائے ملک کی مزید بصیرت کے لئے اس کتاب کا اجمالی حال لکھدینا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس تصنیف سے مقصود یہ تھا کہ گورنمنٹ کو تعلیم جبری کے اجرا پر آمادہ کیا جائے۔ اور اس کو اصول سلطنت کا ایک جز لاینفک قرار دیا جائے۔ چنانچہ انھوں نے اسی مناسبت سے کتاب کا نام "استدعائے تعلیم جبری" رکھا تھا۔

حیدرآباد میں سرکاری طور پر تعلیم کو رائج ہوئے کوئی ۵۰ سال کا عرصہ گزرتا ہے لیکن اس مدت مدید میں ہمارے ملک نے بہ نسبت ان دیسی ریاستوں کے جو رقبہ، آمدنی، اور مردم شماری کے لحاظ سے نہایت کم درجہ پر ہیں کچھ بھی ترقی نہیں کی اور باوجود تقریباً دس لاکھ روپیہ سالانہ سررشتۂ تعلیم میں صرف ہونے کے تعلیمی نتائج نہایت خراب حالت میں ہیں اس کی وجہ کچھ تو ثروت اور زیادہ تر غفلت گورنمنٹ جس طرح اپنی رعایا کے جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ اسی طرح اشاعت تعلیم جبری سے اس مرض کو بھی دور کرسکتی ہے۔ اس سے نہ صرف رعایا کی اصلاح بہبودی ہے بلکہ سلطنت کو بھی بڑے بڑے فوائد پہنچ سکتے ہیں۔ اگر ملک سے جہالت کی ظلمت دور ہوجائے۔ اور علم کی روشنی پھیلے تو رعایا کی تہذیب و ترقی کے اخراجات لاحق ہونگے اور نہ محکمہ جات فوجداری کی حاجت رہیگی۔ تعلیم کے عام ہوجانے کی وجہ سے اچھے ملازم کم مواجب پر دستیاب ہوسکیں گے جو اس قدر

بیش قرار تنخواہ پر بھی میسر نہیں آسکتے۔ اہل ملک کے شائستہ اور تعلیم یافتہ ہو جانے سے آمدنی کے ہر ایک مد میں افزائش ہو جائیگی۔ ذرایع آبپاشی کی توسیع، اور زراعت، تجارت، صنعت وغیرہ کی ترقی سے مالگزاری اور کروڑگیری میں بہت کچھ اضافہ ہو جائیگا۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ انتظام مملکت میں رعایا دخیل ہو جائیگی جس سے امور سلطنت نہایت پائداری کی خیر خواہی اور وفا شعاری سے سرانجام پائیں گے اور نیز اہل ملک اپنے حقوق کو اغیار و اجانب کے بیجا و بے رحمانہ تسلط سے پامال ہوتے ہوئے نہیں دیکھینگے، جس کی وجہ سے سرکار و رعایا میں کسی نوع کی شکایت و رنجش پیدا ہونے کا موقع نہ آئیگا جو ریاست کی روز افزوں ترقی، بہبودی، بہروزی کا کفیل واثق ہے۔

ملا صاحب نے اس کتاب میں، نہایت پرزور دلایل سے ثابت کیا تھا کہ تعلیم جبری کو اصول سلطنت قرار دینا، مفید ہی نہیں بلکہ قیام سلطنت اور نظام دولت کے لئے ایک نہایت ضروری شئے ہے۔ اردو زبان میں آج تک اس جامعیت اور تحقیق کے ساتھ مضمون ہذا پر کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ شاید بعض حضرات، یہ خیال کریں کہ یہ کتاب عربی کے ایک قدیم تعلیم یافتہ شخص کے قلم سے نکلی ہے۔ اس لئے نئے خیالات اور جدید مواد سے اس میں مدد نہیں لیگئی ہوگی، لیکن اس تصنیف میں نہایت معقولیت کے ساتھ ممالک یورپ کے دلائل و اقوال سے استشہاد کیا گیا ہے۔ اور موجودہ متمدن حکومتوں کے طرز حکمرانی سے اسکی ضرورت اور اہمیت، تبلائی گئی ہے ہندو شاستر، وید، اور شریعت اسلام سے اس کا وجوب و لزوم ثابت کیا گیا ہے۔ اور اخیر میں اس مسئلہ پر جس قدر اعتراضات ہو سکتے تھے، انکے جوابات دے گئے ہیں۔

چونکہ اس کتاب کو بہت جلد، سرکار اور عمائد سلطنت کے سامنے پیش کرنا مقصود تھا اس لئے معدودے چند نسخے طبع کرائے گئے، جو سب کے سب تقسیم کر دے گئے۔

یہی وجہ ہے کہ پبلک میں اسکی اشاعت ہونے نہیں پائی اور اکثر لوگ اس کے استفادہ سے محروم رہ گئے۔

ہندوستان میں جب سے علم اور اہل علم کا بازار سرد ہوا ہے عربی علوم کا جو کچھ پاس تھا وہ یا تو دیار یورپ کو منتقل ہو رہا ہے یا بے توجہی اور ناقدر دانی سے مٹی اور دیمک کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔ ہم نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ خود ہماری ریاست حیدرآباد دکن میں کئی نایاب کتب خانے اسی گرداب غفلت و جہالت سے تباہ و برباد ہو گئے، اگر چندے یہی حالت رہی تو قوم و ملک سے ائمہ سلف کے کتب و علوم معدوم ہو جائیں گے اور دوسری مردہ زبانوں کی طرح عربی زبان اور اسکے علوم بھی ناپید و مردہ ہو جائینگے

یوں تو ملا صاحب نے قوم و ملک کے بہت سے مفید و ضروری کام انجام دئے، لیکن ان کے تمام کارناموں میں مطبع دائرۃ المعارف النظامیہ کی اقامت ایک ایسا مہتم بالشان اور روشن کارنامہ ہے کہ جس کی روشنی میں صرف ائمہ سلطنت کی یادگاریں خمول و گمنامی کی تاریکی سے باہر نکلیں اور روشناس عالم ہوئیں بلکہ اس نے خود ملک کو علمی حیثیت سے نہایت ممتاز و نامور بنا دیا، اور اہل اسلام کو کتب وجنہ کے ایک بیش بہا ذخیرہ سے متمتع اور منتفع کیا۔

جس زمانہ میں وہ اجرائے تعلیم جبری کے لئے کوشش کر رہے تھے، ملک سے علمی سرمایہ کا قحط دور کرنے اور اسلاف کی کمیاب اور نادر کتابوں کو تلف ہونے سے بچانے کے لئے انہوں نے یہ تجویز سوچی تھی کہ ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی لاٹری ڈالی جائے، اور اسکی آمدنی سے ایک ایسا مطبع قائم کیا جائے، جو ان ضرورتوں کو کما ینبغی پورا کر سکے، لیکن ہمارے ملک میں چونکہ ہر ایک مفید تحریک و تجویز کی بابت سب سے پہلے حلت و حرمت کا سوال کیا جاتا ہے لہذا ملا صاحب کو لاٹری کے جائز و مباح ہونے کا فتوی لکھنا نہایت ضروری تھا۔ اس بنا پر انہوں نے نہایت مدلل اور مفصل مضمون تحریر فرمایا جس میں لاٹری کے جواز کو معقول د

منقولہ سے بکمال عمدگی و خوش اسلوبی ثابت کیا تھا۔ ان کی اس حرکت پر ہمارے علما اور سنیان
از حد برافروختہ ہوئے۔ اور بڑی لے دے کی۔ نیز اس مضمون کی تردید میں بہتوں نے
چھاپ ڈالے۔ لیکن ملا صاحب مرحوم کو ان باتوں کی کیا پروا ہو سکتی تھی وہ اپنے
اس منصوبہ کو عمل میں لانیکی کوشش سے باز نہ آئے۔ انہوں نے سرکار میں لاٹری کی
اجازت حاصل کرنیکے واسطے ایک درخواست پیش کی۔ اور منظوری درخواست
کے لئے سر آسمانجاہ مرحوم کی ستایش میں ایک پرزور قصیدہ بھی لکھا جس کے
چند اشعار ناظرین کی تفریح طبع کی غرض سے درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

صدرا! مہا! مدار مہا! اگر چہ چون — از گردش زمانہ مرا حال ابتر است
دو سال شد کہ خاطر من درد داددی — از گرد راہ گردش دوران مکدر است
چندان ندیدہ ام برہ تو کہ سود یا — سودے نداد سعی کہ خاکیش بر سر است
از مردمان کہ ہیچ بجز آن گر سیم نخاست — جز مردمم کہ دیدہ بخونابہ احمر است
بر وعدۂ تو دایرہ کردہ ام بنا — ایفائے وعدہ ام ز تو در حق دیگر است
نشر علوم و طبع کتب ہست مقصدم — زانم تمنئے کہ بود بر تو اظہر است
سکہ نما کہ مجلسے یابم ز لطف تو — زین دایرہ نہ پائے سر وغم نہ اندر است
آن مدرسہ کہ کردہ از دست خویش وا — کشن رسم افتتاح ز دست تو اظہر است
منظوری مصارف آن چون نشد ماندہ — مدرس کہ مندرس شدہ بدنامی آور است
مردم تعلے کہ درین بارہ می کنند — عذر از گناہ بدتر و تو لے مزور است
نیکرہ ازین دو وعدہ گردانیم رہا — کز ہر دو خاطر من گشت مضطر است
جز لاٹری و مدرسہ دارم نہ مدعا — موعود مدعا و وفایش کہ ابسر است

اِس درخواست و قصیدہ کی بنا پر آسماں جاہ مرحوم نے بندگانعالی کے ملاحظۂ اقدس میں یہ گذارش پیش فرمائی کہ اِس قسم کی سرمایہ سے کتب دینیہ و علمیہ کی اشاعت' ایک گروہ کو نامناسب امر ہے۔ لہذا بقدر منافع' سرکار سے اس کا امدادی وظیفہ جاری کر دیا جائے تو بہتر ہے بندگانعالی نے باستصواب رائے مدار المہام مرحوم' منظوری صادر فرمائی۔

اس زمانہ میں چونکہ ملا صاحب ڈپٹی کمشنر انعام تھے' اور سرکاری کاروبار کی وجہ سے اکثر دوروں پر رہا کرتے تھے' ابتداءً اس مطبع کا کام نواب اقبال یار جنگ بہادر مرحوم دیکھا کئے۔ اور وہی معتمد رہے۔ مگر جب انہیں وظیفہ مل گیا تو بنفس خود تمام کاروبار انجام دینے لگے۔ اور جفاکشی' پابندی' اور کامیابی کے ساتھ کام چلاتے رہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سالہا سے گذشتہ کا پورا رقمی حساب کتاب صاف کیا' اور جملہ کارروائی اور ترقی کی رپورٹیں ترتیب دیں' انکو اس مطبع کا اتنا بڑا خیال تھا کہ حالت مرض میں بھی اسکو قومی' اور علمی کام سمجھکر بڑے ہی شوق و محبت سے اسکی طرف متوجہ رہے۔ کیونکہ یہ پودے انہی کے ہاتھوں کے لگائے ہوئے ہیں' اگر وہ دلدہی اور محبت و جفاکشی کی' آبیاری سے انکو نہ سینچے تو کیونکر وہ ایسے برگ و بار نکال سکتے

کتب خانہ آصفیہ بھی' انہی کی تحریک اور نواب عماد الملک بہادر کی تائید پر قایم ہوا پبلک لائبریری کے نہونے سے' ہماری ریاست میں' لازمہ ترقی و تمدن کی ایک بڑی کمی رہجاتی تھی۔ جو اُس کی وقعت' عزت' و عظمت پر بدنما دھبہ لگاتی تھی۔ اسکے علاوہ اسکی اقامت کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تہا کہ یورپ نئی قدردانی' اپنی کشش مقناطیسی سے ہندوستان کی نایاب کتابوں کا ذخیرہ' اپنی طرف منتقل کرنے لگی تھی' اور بہت سی نادر الوجود تصنیفات' ہماری جہالت' غفلت اور بے قدری سے ضایع ہو رہی تھیں۔ جب تک انکی فراہمی کا کوئی ذریعہ نہوتا' رہی سہی اور بچی کھچی کتابوں پر بھی' پانی بھر جاتا۔ اور انسے بھی ہاتھ دہو لینا پڑتا۔ اس لئے یہ قصد کیا گیا تہا۔ کہ کتبخانہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے

اِس علمی میراث کی حفاظت اور مجلس دائرۃ المعارف سے اسکی اشاعت کیجائے تاکہ وہ تلف اور ضایع ہونے سے اچھی طرح امن میں آجائے ۔ اور جو لوگ کم فرصتی، بے استطاعتی اور بعد مکانی کی وجہ سے اِس سے مستفید نہیں ہو سکتے ہیں۔ وہ بھی مستفیض اور ممتنع ہوں اور کتب خانہ کے فیض اور نفع رسانی کا دائرہ وسیع ہوجائے۔ اور ممالک دور و دراز کے باشندے بھی اس سے بہرہ مند ہونے میں محروم نہ رہیں، درحقیقت مہذب و شایستہ سلطنت کی ترقی تمدن کا معیار وہاں کی ترویج معارف کے ذریعہ اور اشاعت علوم و فنون کے رسائل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس لحاظ سے جس طرح کتبخانہ نافع اور ضروری ہے اس سے بدرجہا بڑھکر مطبع دائرۃ المعارف مفید اور اہم ہے۔ جن اغراض پر کتب خانہ آصفیہ کی بنیاد پڑی ہے، انہی مقاصد پر مطبع کی عمارت اٹھائی گئی ہے۔ لیکن بروقت اقامت، ان دونو کی حیثیت میں یہ فرق، اور امتیاز، ملحوظ و مرکوز تھا۔ کہ کتب خانہ خاص گورنمنٹ کے زیر نگرانی رہے۔ اور دائرۃ المعارف ایک قومی مجلس کے اصول پر قائم ہو۔ مگر افسوس ہے کہ جس اصول پر مطبع کی بنیاد ڈالی گئی تھی، اسکا ظہور عملی طور پر نہیں ہونے پایا اور ملک و قوم کے تائیدی سرمایہ سے اشاعت، کتب میں مدد نہیں لیگئی۔ بلکہ صرف گورنمنٹ کے امدادی وظیفہ پر ہی اس کے اجرائے کار کا دارومدار رہا۔ جسکی وجہ سے یہ مجلس جیسی کچھ ترقی کرنی چاہیے تھی، نہ کرسکی، اور اسکے مقاصد کی تکمیل جیسی ہونی چاہیے تھی نہ ہوسکی۔ اسکی تلافی کے لئے ملا صاحب نے ارادہ کیا تھا کہ دو لاکھ کے شیر کھول کر بذریعہ اسٹیم پریس مطبع کو بڑے پیمانہ پر چلایا جائے۔ اور تجارتی اصول اختیار کرکے اسکی آمدنی اور سرمایہ میں ترقی دی جائے۔ اِسکے علاوہ انہوں نے اور بہت سی تجاویز جو مطبع کی اغراض مذکورہ کے لئے ضروری اور مفید تھیں اپنی مرتبہ رپورٹ دائرۃ المعارف بابت ۱۳۱۴ف میں بیان کی ہیں۔ اُن کے ان بلند ارادوں اور عظیم الشان تجویزوں کو دیکھنے کے بعد متنبی کے اس قول پر پورا یقین آجاتا ہے ؎

علیٰ قدرِ اہل العزم تاتی العزائم وتعظم فی عین الصغیر صغارہا	وتاتی علیٰ قدر الکرام المکارم وتصغر فی عین العظیم العظائم

ایک مدت سے ملا صاحب مرحوم اس بات کو محسوس کر رہے تھے کہ موجودہ طرزِ تعلیم، خواہ وہ انگریزی ہو یا عربی، ہمارے ضروریاتِ تمدن اور حالاتِ معیشت کے بالکل خلاف، غیر مفید اور مضر ہے آج سے کئی سال پیشتر رسالہ تعلیم جبری اور نیز اپنی تحریرات و تقریرات میں وہ اس خیال کو بدیں الفاظ ظاہر کر چکے ہیں۔

"آج کل ملک کو جو ضرورت درپیش ہے وہ قوتِ نظری و دماغی کی نہیں ہے۔ قدیم و جدید تعلیم نے بقدرِ کافی ہمارے قوائے نظریہ و دماغیہ کو پختہ و مستحکم کر دیا ہے۔ ملک اس وقت اگر محتاج ہے تو صرف حکمتِ عملی کے شعبوں کا۔ ہمکو سردست طبق کی فکر کرنی چاہیئے جس کی جسمانی ضروریات کے استیفا کے بغیر کسی طرح دنیوی و اخروی سعادات کا اکتساب نہیں ہو سکتا ہمارے ملک میں نہ صناعت ہے نہ حرفت۔ نہ زراعت ہے نہ تجارت جسکے باعث روز بروز وہ نکبت و افلاس میں باد صرصر سے مرجھا رہا ہے۔ اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اہل ملک کو وہ تعلیم دی جائے جس کی ضرورت وہ اختتام تعلیم کے بعد اپنی روٹی اپنے دست و بازو سے کما کر کھا سکیں، سرکار کو اپنی پرورش کے لئے مشوش و پریشان نہ کریں"

ترجمہ: "انسان کے ارادے اسکے حوصلے کے موافق اور اسکے خوبیاں بقدر اسکی بزرگیوں کے ہوتی ہیں کم حوصلہ کی نظر میں چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی پہاڑ دکھائی دیتے ہیں۔ مگر عالی ہمت شخص کو بڑے بڑے کام بھی چھوٹے چھوٹے معلوم ہوتے ہیں"

مولانا حالی نے کیا خوب فرمایا ہے

ہے رائی بھی پربت اگر دل میں نہیں عزم درست   پر ٹھان لی جب جی میں پھر پربت بھی تو رائی ہے

اور تعلیمی اخراجات کا بار اٹھانے اور یونیورسٹی کی ڈگریاں حاصل کرنیکے باوجود محض ناکارہ
ثابت ہوں اپنی معیشت میں سرکار کے دست نگر، اور اوس کے رحم و کرم کے امیدوار نہ بنیں
اور ملکی افلاس اور فقر و فاقہ کو ترقی نہ دیں۔ اب تک تمام ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی
تعلیم کا نتیجہ، بالکل اس کے برعکس ہوا ہے۔ ہم اپنے ملک میں فقیہ، فلسفی، ادیب
شاعر یا میٹرک سے لے کر ایم۔ اے بی ٹی تک کی ڈگریاں رکھنے والوں کے بہ نسبت
معمار، انجینیر، ڈاکٹر، نجار، لوہار، تاجر، مزارع، اور ریل کی پٹریاں بچھانے والوں
اور انجن چلانے والوں کو دیکھنا پسند کرتا ہوں یہ تمام محترف فرقے اپنے محنت اور
مزدوری سے آزادانہ معیشت پیدا کر کے خود بھی مترفہ و خوشحال رہتے ہیں۔ اور سرکار کو
بھی اپنی خدمت و پرورش کے تقاضوں سے مکدر اور حیران نہیں کرتے ہیں۔ آج کل
لوگوں نے جو طرف اشاعت تعلیم کی جو ٹر پونگ مچا رکھی ہے۔ اور رات دن ایسی
تعلیم کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس سے سوائے وقت، پیسہ، محنت صرف کر کے اغیار کے
محتاج بننے اور غلامی کا قشقہ، اپنے ماتھے پر لگانے کے کچھ بھی حاصل نہیں۔ درحقیقت
یہ لوگ قوم و ملک کو روز بروز محتاج بنا رہے ہیں۔ اور غلامی کی حالت میں لا رہے ہیں
اور محض نادان دوست ہیں جو بدتر از دشمن دانا ہیں۔ تعلیم کی غرض و غایت صرف
یہ ہے کہ حوائج تمدنی، اور معیشت و معاشرت بنی نوع انسانی میں سہولت و شائستگی
پیدا کرے جس تعلیم کا نتیجہ یہ نہ ہو۔ اور وہ بجائے سہولت پیدا کرنے کے ان امور میں
اُلٹا دقت پیدا کر دے۔ اس سے پناہ مانگنی چاہئے، اعوذ باللہ من علم
لا ینفع۔ طریقہ تعلیم کے اختیار کرنے میں ہم کو امریکہ، جاپان، اور یورپ کی پیروی و
تقلید کرنی چاہئے، ان ممالک کی ترقی کچھ یونیورسٹیوں کی ڈگریوں سے نہیں ہوئی ہے
بہر حال وہ قوم جو اپنی ضرورت خور و نوش کو خود پورا نہ کرے، اور دیگر اقوام کی محتاج
و دست نگر رہے۔ وہ کبھی غلامی کی پستی سے دست نگر ترقی کر کے تہذیب و ترفہ

زینہ پر نہیں چڑھ سکتی یہاں عام طور پر تعلیم و تعلم کی جو رفتار نظر آ رہی ہے وہ زمانہ شناسوں کی نگاہ میں تمام قوائے حسیہ اور اعضائے جسمیہ کو برباد کرنے والی، اور قوم کو بیکار، مفلس اور محتاج بنانے والی دیکھائی دیتی ہے۔ اس لئے ہم کو بجائے اس کے عملی اور مادی ترقی کرنی چاہیئے صرف ذہنی اور دماغی ہی قوتوں کو پڑھ پڑھ کر تھکانا اور رائگاں کر دینا، بالکل جہالت اور نادانی ہے۔ اور موجب ذلت و نکبت وافلاس و بدنامی ہے۔"

یہی خیالات تھے جو ایک زمانہ سے ان کے دل میں موج زن تھے جشن جوبلی چہل سالہ کے موقع پر جبکہ ہر ایک شخص اپنے حوصلہ اور ہمت کے مطابق مختلف یادگاریں قایم کر رہا تھا ملا صاحب مرحوم نے دائرۃ المعارف کی طرف سے جشن مذکور کی یادگار میں، تعلیم صنعت و حرفت کے لئے ایک فنڈ قایم کیا۔ جس سے مقصود یہ تھا کہ طلبہ صنائع و حرفت کی تعلیم کے لئے یورپ، امریکہ، اور جاپان، روانہ کئے جائیں اور ملک میں صنعت، دولت اور رفاہیت کے اسباب کافی طور پر فراہم ہو سکیں۔ اگرچہ ہمارے سرکار فیض آثار کی جانب سے بغرض تعلیم ہر سال لڑکے انگلستان روانہ کئے گئے ہیں لیکن اس کے متعلق بہت کم کسی قاعدے اور قانون کی پابندی ہوئی ہے۔ اور جو جو لوگ بھیجے گئے۔ وہ بہت کم اسکے اہل ثابت ہو چکے ہیں۔ علاوہ بریں سرکاری انتظامات، مختلف اور محدود ہیں، جسکے لحاظ سے مجبوراً سرکار کو اپنی ضرورت کے موافق تعلیم دلانا پڑتا ہے۔ جو ہرگز قومی ضرورتوں کے لئے کافی نہیں ہو سکتی، قطع نظر اس کے اور کئی اعتبارات سے ایک ایسے فنڈ کی ضرورت تھی۔ ملا صاحب کی اس آواز کو ملک و قوم نے "بسمع" رضا و قبول سنا اور فراہمی چندہ کے لئے۔ کوئی باضابطہ کارروائی کرنے کے بغیر لوگوں نے بے انتہا خوشی، ہمدردی، گرم جوشی، کے ساتھ چندہ بھیجنا شروع کر دیا۔ ان کا قصد تھا کہ اعلیحضرت کی صدارت سے ایک عام جلسہ منعقد کیا جائے۔ اور وسیع پیمانہ پر

باضابطہ طور سے چندہ کی فہرست کہولی جائے۔ عامۂ ناس کی دلچسپی کے نظر کرتے، امید بندہی ہتی، کہ ضرور اس اسکیم میں کامیابی ہوگی۔ افسوس صد افسوس کہ انکی بے ہنگام موت نے کیسی کیسی امیدوں کو برباد کردیا۔ اور کیسے کیسے مفید تجاویز کو خاک میں ملادیا ع

	اے بسا آرزو کہ خاک شدہ	

رجب ۱۳۰۶ھ میں ملا صاحب مرحوم نے لڑکوں کو ریاست سے بغرض تعلیم صنعت و حرفت بہیجے کے لئے، ایک اسکیم تجویز کی تہی، جس کو سر آسماہ جاہ بہادر، مدار المہام سابق نے منظور فرما کر جریدۂ اعلامیہ میں "تجویز ارسال اطفال بولایت فرنگستان بغرض تعلیم علوم و فنون مفید و ضروریہ"، کا اعلان و اشتہار دیا تہا۔ مگر جس طرح چاہئے اس کا اجرا و نفاذ نہیں ہونے پایا، اسکیم کا ماحصل اور خلاصہ یہ تہا۔

"ٹیکنیکل ایجوکیشن کے لئے ریاست کے اکیس ۲۱ شریف خاندانی لڑکوں کے تعلیمی اخراجات کی گنجایش، موازنہ تعلیمات میں رکہی جائے۔ ان لڑکوں کی عمر گیارہ سال سے کم اور بائیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ مدت تعلیم پانچ سال قرار دی گئی ہے۔ ہر ایک لڑکے کا خرچ سالانہ دوسو پونڈ، اور کرایہ آمدورفت درجۂ اول جہاز، تجویز کیا تہا۔ اس کے معاوضہ میں تعلیم یافتہ گیارہ سال تک ملازمت سرکاری پر مجبور ہونگے۔ ان کی ابتدائی تنخواہ چارسو ہوگی۔ اور تیس روپیہ سالانہ اضافہ سات سو تک ہوتا رہے گا۔ اگر لڑکے تعلیم میں ترقی نہ کریں۔ یا اپنے عادات و اخلاق کو درست نہ رکہیں تو سرکار کو اختیار ہوگا کہ وظیفہ امدادی موقوف کردے اور اخراجات تعلیم و تدریس لے لے۔ تعلیم یافتہ طلبہ کے آنیکے بعد کام شروع کرنے کے لئے سامان و مکان کے جو اخراجات، لاحق ہونگے۔ اسکے ایک لاکہ روپیہ سالانہ رکہا جائے"۔

اس فنڈ کی اقامت کے پہلے مجلس چندہ حجاز ریلوے کی طرف سے اعلیحضرت کے ملاحظہ میں ایک عرضی گذرانی گئی تھی، جس میں یہ درخواست کی گئی تھی کہ حضرت بندگانعالی متعالی کے عہد میمون کی عمدہ یادگار قایم کرنے کے لئے مجلس یہ تجویز کرتی ہے کہ آمدنی اور اخراجات کے ابواب پر ایک آنہ فی روپیہ اس یادگار کیلئے ایک یا دو سال تک ہنگامی طور سے لگا دیا جا تو تمام رعایائے مالگزار، ملازمین سرکار، امرا و جاگیردار، زمیندار، انعامدار، منصبدار اور وظیفہ خوار سیکڑہ چند روپیہ بخوشی تمام دینے رضامند ہو جائینگے۔ اور اس کو اپنے لئے باعث فخر و مباہات خیال کرینگے اس طرح سے صرف دیوانی کے ابواب آمدنی و خرچ سے پینتیس لاکھ روپیہ کے قریب وصول ہو سکتے ہیں، اور اسکے علاوہ اگر پائیگاہ، صرف خاص جاگیرات سمانات، انعامات، اور تاجروں ساہوکاروں اور اہل حرفہ سے فی روپیہ ایک آنہ لیا جائے تو قریبا ایک کروڑ روپیہ وصول ہو سکتا ہے۔ اسکا نصف حجاز ریلوے پر اور نصف تکمیل اسکولوں و تعلیم صنایع حرف پر صرف کیا جا سکتا ہے۔ اگر سرکار اس مضمون کا فرمان شاہی صادر فرمائیں اور بماتحتی مدار المہام بہادر اسکے اہتمام و انتظام کیلئے ایک مجلس مقرر فرمائیں تو ملک میں قابلیت اور ذرایع معیشت کیلئے وسیع ہونے کے سوائے خود سرکار کی ایک یادگار دوامی اور ہمیشہ کی نیکنامی قایم رہے گی۔

لیکن نہیں معلوم کن پولیٹیکل وجوہ کی بنا پر درخواست نامنظور کیگئی ؎

رموز مملکت خویش خسروان دانند　　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ملا صاحب مرحوم کی ان تمام تحریکات اور تجاویز کو لکھنے سے ہمیں بتانا مقصود تھا کہ ملک کے تعلیمی امور میں اُن کے کیا خیالات اور اُسکے انجام دینے کے لیے انہوں نے کیا کیا کوشش اور کون کون تدبیریں کی تہیں؟

دو تین کارنامے نے انہیں ہندوستان اور دوسرے ممالک میں نہایت ہر دلعزیز اور

مشہور کر دیا۔ چاہِ زمزم کے متعلق انہوں نے جو تقریر کی تھی اور اپنی دینی حمیت اور اسلامی
جوش کا ثبوت دیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کے دلوں میں انکی ایک ممتاز وقعت پیدا
ہو گئی تھی چند سال پیشتر حیدر آباد میں ڈاکٹر ارنسٹ ہارٹ مصائب حجاج کے انسداد کی
غرض سے آئے تھے۔ چنانچہ اسکے لئے باغ عام میں بصدارت نواب وقار الامرا بہادر
ایک عظیم الشان جلسہ کیا گیا۔ جو تمام عمائد سلطنت اور مشائخ عظام کی تائید سے منعقد ہوا
ڈاکٹر مذکور نے اپنی تقریر میں بہت سے الزامات ترکوں لگائے تھے اور یہ بیان
کیا تھا کہ آب زمزم میں وبائی جرم ہوتے ہیں جسکے باعث آئے دن مکہ معظمہ میں وبا
پھیلا کرتی ہے اور ہندوستان حاجیوں کا ایک بڑا حصہ اس مرض سے ہلاک
ہو جاتا ہے۔ چونکہ اہل حیدرآباد کی ایک تعداد کثیر ہر سال حج کے لئے جایا کرتی ہے۔
اس لئے یہاں کے باشندوں کی جانب سے سلطان المعظم کی خدمت میں یہ درخواست
پیش کی جائے کہ اس کنویں کو بند کر دیا جائے تاکہ اس آفت و مصیبت سے نجات ہو سکے
ڈاکٹر ہارٹ نے اپنی تقریر سے مسلمانوں کے جذبات و احساسات کو سخت صدمہ پہنچایا تھا
حاضرین جلسہ میں سے کسی شخص نے بھی اس تقریر کی تردید نہیں کی مگر ملا صاحب نے
جرأت کر کے نہایت فصاحت و خوش اسلوبی کے ساتھ اس بیان کو غلط ثابت کیا۔
اور تمام مسلمانان ہند کی لاج رکھ لی۔ اگر اس قسم کی درخواست یہاں سے
بھیجی جاتی۔ تو ساری دنیا میں اہل ہند کی بڑی جگ ہنسائی ہوتی۔ ملا صاحب نے
صرف ڈاکٹر کے بیانات کی تردید ہی نہیں کی بلکہ مکہ معظمہ سے مرض وبا دور کرنے کے لئے
ایک نہایت معقول اور عمدہ تجویز بھی پیش کی تھی جس کو ہم مخلصاً انکی تقریر سے درج
کرتے ہیں۔

"سر دست دفع و انسداد وبا کے لئے جو تدبیر عمل میں لانی چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ نہر زبیدہ کی
ایک شاخ میدان عرفات و مسجد خیف سے منا پر لائی جائے یہاں حاجیوں کو

دو تین روز رہنا۔ اور ۔ ۔ ۔ کا گدلا پانی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جس کی تعفن کی وجہ سے اکثر اوقات شدید وبا پھیلتی ہے۔ اور جس کے خیال سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی تین روز سے زیادہ رہنے کی اجازت نہیں دی ہے تاکہ تعفن ہوا کی وجہ سے حاجی متاثر نہ ہو جائیں۔ باوجود اس تعفن ہوا کے اگر پانی بھی پاک و صاف نہ ملے تو کس قدر خطرناک امر ہے۔ وبا جو مکہ میں آتی ہے تو منا سے بوجہ ان اسباب کے منتقل ہوتی ہے جو بیان ہوئے ہیں۔ یا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ بنگالہ اور بخارا سے کثیف حاجی آتے ہیں۔

یہ جو خیال کیا گیا ہے کہ زمزم کا پانی ٹھہرا ہوا ہے یا اس میں وبائی جرثومے ہیں یہ کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ ایک چھوٹا سا کنواں ہے اور ہر روز کثرت استعمال سے خالی ہو جاتا ہے۔ اور اس کا پانی اکثر لوگ بھر کے لیجاتے ہیں، اور جو وہاں مستعمل ہوتا وہ پختہ، سنگ بستہ، نالیوں کی راہ شہر کے باہر چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے متعفن اور خراب ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ صرف دور رہنے والوں کے اوہام ہیں۔ جو قیاسی طور پر بوجہ ناواقفیت کے پھیلائے گئے ہیں۔"

پس سب سے اول مقام منا پر پانی لانے کا انتظام اہم مہمات سے ہے اسلئے بلکہ صرفہ بھی زیادہ نہیں ہے۔ مشہور نہر زبیدہ کی ترمیم کرنے والے حاجی عبداللہ عرب سے اور مجھ سے پارسال اس معاملہ میں گفتگو ہوئی ہے۔ انہوں نے مجھے مطمئن کیا ہے کہ ۲۵ ہزار روپیوں میں وہ اس کام کو پورا کر دیں گے، اور روپیہ بھی کچھ اول ملنے کی ضرورت نہیں بعد انجام کار وصول ہونے کا، انہیں اطمینان دلانا کافی ہے۔ اتنی ہی بات پر وہ کام کی انجام دہی پر مستعد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے سرکار جو سالانہ بیالیس ساٹھ ہزار کے صرفہ سے مفلس اور گداگر سندی حاجیوں کو بھیجکر اپنی ریاست اور دولت برطانیہ کی بدنامی کا موجب ہوتی ہے۔ اگر اس خیرجاری کے صرفہ کو لینے ذمہ لے اور معمولی سالانہ خرچ میں اتنی رقم ایک سال کے لئے کم کر دے تو

کوئی بڑی بات نہیں۔"

انہوں نے اپنی عادت کے موافق اس تجویز میں صرف زبانی جمع وخرچ سے کام نہیں لیا بلکہ باضابطہ طور سے سرکار میں درخواست دی، جس کی بنا پر سرکار نے بیرآورد و نقشہ طلب فرمایا۔ تاکہ اسکے مطابق رقم دی جائے۔ ترکی حکام اور سفرا کو متعدد بار لکھا گیا لیکن وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔

اُن میں ایک نمایاں صفت یہ تھی کہ وہ اپنی کسی تجویز اور تحریک سے اوس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، جب تک اُن کو اُس کام کے پورا ہونے سے قطعی یاس نہ ہوجائے۔ اگر امید کی وہ دہندلی سی جھلک بھی دکھائی دیتی تو وہ اس کی روشنی سے مستفیض ہوئے بغیر ہرگز خاموش نہ رہتے۔ اسی عزم و استقلال کی وجہ تھی کہ ان کی سعی و کوشش کی حرکت ہمیشہ اپنی طاقت کے انتہائی نقطہ پر آکے ختم ہوئی ہے اور اکثر اوقات انہوں نے اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے۔

ملّا صاحب کی زندگی کی اخیر قومی اور دینی خدمت، چندہ، حجاز ریلوے تھی۔ اس کام کو انہوں نے اس وقت شروع کیا تھا۔ جبکہ وہ ملازمت کی تقیدات میں پھنسے ہوئے تھے۔ اس خدمت کو انہوں نے جس خوبی، عمدگی، کامیابی اور جب دینی سے چلایا، اُس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نرے باتونی آدمی نہ تھے بلکہ ان میں عملی قوت انتہا درجہ کی تھی۔

اس سے پہلے ہی جبکہ وہ ڈپٹی کلکٹر انعام تھے ایک وافر رقم، مظلومین کریٹ کے لئے جمع کرکے بھیجی تھی، جس سے کوئی اور فائدہ مترتب ہوا یا نہ ہو۔ لیکن یہ بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا کہ عام مسلمانوں کے اس خیال کو بالکل دور کردیا کہ گورنمنٹ ہند اس قسم کے امور میں مسلمانوں کے اس امداد و اعانت سے کھٹکتی ہے۔ درحقیقت اس قسم کا خوف رعایا کے رشتۂ وفاداری و اطاعت گذاری کو بودا اور

پھسپھسا کرنے والا ہے۔ اگر کوئی رعایا اپنے گورنمنٹ سے ایسی ذری سی بات سے خائف و ترسان ہو۔ وہ ہرگز لایق اعتماد قابل اطمینان نہیں ہوسکتی۔

قطعہ

ازاں کز تو ترسد بترس لے حکیم — وگر با چنو صد برا ئی بجنگ
ازاں مار بر پائے راعی زند — کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ
نہ بینی کہ چون گربہ عاجز شود — برآرد بچنگال چشم پلنگ

اسی باعث جب کبھی وہ کسی شہر میں چندہ جمع کرنے کے لئے جاتے تو سب سے پہلے وہاں کے مجسٹریٹ یا حاکم اعلیٰ سے ملاقات کر لیتے تھے اور اپنے آنے کی غرض بیان کر کے چندہ فراہم کرنے کی اجازت حاصل کر لیتے تھے اور اسطرح پر وہاں کے مسلمانوں کے دلوں میں کسی طرح کا خوف و ہراس ہوتا تو اسکو دفع کر دیتے تھے۔

ایک دفعہ جب وہ روہیلکھنڈ میں چندہ حجاز ریلوے وصول کرنے کے واسطے گئے تو پہلے پہل وہاں کے لفٹنٹ گورنر سے ملاقات کی اور اس سے اجازت حاصل کر کے چندہ کا کام شروع کیا۔ اور دوسرے لوگوں کو اس میں شریک کیا۔ جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو اسٹیشن پر گورنر صاحب موصوف سے ملاقات ہو گئی۔ سفر میں دونوں کا ساتھ رہا۔ اثنائے گفتگو میں ملا صاحب نے فرمایا۔

"آپ کو میرا ممنون و مشکور ہونا چاہئے"۔ یہ سنکر صاحب بہادر کو بڑا اچنبھا معلوم ہوا کہ انہوں نے کام تو اپنا بنا لیا۔ اور الٹے مجھی کو ممنون کر رہے ہیں۔ استعجاب سے پوچھا کہ "وہ کیونکر؟" ملا صاحب نے فرمایا "جس رعایا کے دل میں اپنی گورنمنٹ کی جانب سے بیجا خوف و ہراس ہو وہ ہرگز اعتماد اور بھروسہ کے

قابل نہیں ہوسکتی۔ جب میں نے اپنے مقاصد و اغراض کو یہاں کے باشندوں پہ ظاہر کیا۔ تو وہ اس کام میں اپنی شرکت سے بیحد خائف و ہراساں ہوے۔ اور باوجود گورنمنٹ کے جانب سے قانوناً آزادی ملنے کے اُن کو ان امور میں شریک ہوتے ہوئے بڑا ہراس و اندیشہ دامنگیر رہا۔ میں نے اُنکے دلوں سے اس بیجا اور بیہودہ خیال کو دور کیا اور گورنمنٹ کی جانب سے پورا اطمینان دلا دیا۔"

علی ہذا القیاس جب وہ کلکتہ میں بغرض اقامت مجلس حیدرہ مقیم تھے۔ تو بعض کوتہ اندیش مسلمان کی اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے لارڈ منٹو بہادر ویسرائے ہند سے ایک قابل قدر جواب حاصل کیا۔ جس میں ویسرائے بہادر نے جشن مذکور میں تحریک ہونے کے لئے مسلمانوں کو علے الاعلان ایک عام اجازت دیدی اور اس سے اپنی کمال و خوشنودی ظاہر کی تھی۔

یہانتک ہم نے ملا صاحب کے ان چند کارناموں کو بیان کیا ہے جو زیادہ تر ملک اور ملک سے وابستہ تھے جب ہم انکی پرایوٹ لائف پر نظر ڈالتے ہیں تو اسکو اس سے بھی بڑھکر دلچسپ اور اخلاقی نتائج سے مملو پاتے ہیں خدا نے انہیں دل و دماغ سے جتنی خوبیاں اور اعلیٰ درجہ کی صفتوں متعلق ہوسکتی ہیں۔ ساری عطا کی تھیں یہاں وہ دل کے وسیع، سخی، رحمدل، رفیق القلب تھے۔ وہاں ان میں دماغی قابلیتیں بھی، مبدۂ فیاض نے کوٹ کوٹ کر بھری تھیں۔ وہ نہایت سریع الفکر، قوی الحافظہ، زود فہم اور دقیقہ رس تھے۔ جس طرح وہ تقریر میں طلیق اللسان تھے۔ اسی طرح نظم و نثر میں بھی کامل قدرت و مہارت رکھتے تھے۔ اگرچہ انہوں نے عربی فارسی درسیہ کتابیں تحصیل کی تھیں لیکن وہ نہایت وسیع معلومات اور نامحدود لیاقت والے شخص تھے۔ زہد و تقوے کے باوجود ظرافت، بذلہ سنجی، اور حاضر جوابی میں فرد تھے۔ غرض یہ کہ آن کے ذاتی حالات

اور واقعات ایسے پرلطف و دلکش ہیں، کہ قوم و ملک کے لئے ان سے انسانی زندگی کا ایک دلچسپ مرقع، مرتب کیا جا سکتا ہے۔ ہم ناظرین سے معافی چاہتے ہیں کہ اس چھوٹے سے رسالہ میں اسکے متعلق، کوئی معتدبہ ذخیرہ نہیں پیش کر سکتے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اُن کی ایک مکمل اور مبسوط سوانح عمری قلم بند کر دیں۔ ناظرین میں سے کسی صاحب کو اگر اُن کے متعلق کوئی معلومات ہوں یا اُن کا کلام اور خطوط وغیرہ رکھتے ہیں تو ہمیں امید ہے کہ وہ ضرور ہماری امداد کرینگے۔ اور نہ صرف ہم کو شکرگذاری کا موقع دینگے بلکہ ملک و قوم کو بھی اپنا ممنون فرمائینگے

تعزیت نامہ

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی

(ماخوذ از رسالہ صحیفہ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ)

"پانی پت"

آج کے روانہ اخبار لاہور میں جناب ملا محمد عبد القیوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا حال دفعۃً پڑھکر جو صدمہ میرے دل پر ہوا ہے۔ اسکو میں کسی طرح بیان نہیں کر سکتا۔ تقریباً ایک مہینہ ہوا کہ میں نے کمیٹی پبلک لایبریری پانی پت کی طرف سے ان کا شکریہ بابت عطیہ کتب مطبوعہ دائرۃ المعارف انکی خدمت میں بھجوایا تھا۔ ارادہ کر رہا تھا کہ اپنا علیحدہ پرایوٹ نیازنامہ انکی خدمت میں بھجواؤں اور انکی عنایت اور محبت کا جو نقش میرے دل پر ثبت ہے کسقدر ان کو ظاہر کروں اور انکی زیارت سے محروم ہو جانے کی حسرت جو حیدرآباد چھوڑنے کے بعد میرے دل پر ہجوم رکھتی تھی۔ اس کو بیان کرکے فی الجملہ دل خالی کروں آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسی حالت میں ان کے انتقال کی خبر دفعۃً سننے سے مجھ پر

کیا کیفیت گذری ہوگی۔

ملا صاحب مرحوم کے نسبت مسلمانان مختلف خیالات رکھتے تھے۔ اور انکی ملاقات سے پہلے میرے خیالات بھی ان کے نسبت زیادہ صاف نہ تھے۔ لیکن میں آپ سے صحیح کہتا ہوں کہ انہوں نے پہلے ہی دو چار ملاقاتوں سے مجھے تسخیر کر لیا تھا۔ جو کچھ کہ انہوں نے چندہ حجاز ریلوے، اور دیگر اسلامی خدمات میں سرگرمی ظاہر فرمائی ہے۔ اس کو ایک زمانہ جانتا ہے۔ لہذا مجھے اسکے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن جس محبت و عنایت سے وہ میرے ساتھ پیش آئے ہیں۔ اور جس صداقت اور خلوص کیساتھ وہ رخصت کے وقت تک مجھ سے ملتے رہے ہیں۔ اس کا اثر تا دم مرگ میرے دل سے محو نہیں ہو سکتا۔

باوجود تقدس اور دینداری اور عالمانہ وضع اور مشایخانہ لباس کے ایسے شگفتہ طبع رنگین مزاج "یار باش" بذلہ سنج، اور مرنج مرنجان تھے حق یہ ہے کہ بہت ہی کم لوگ دیکھنے میں آئے ہیں میں چاہتا تھا کہ "تعزیت کا خط" ملا صاحب کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحبزادے کے نام لکھوں، لیکن ان صاحبوں میں سے کسی کا نام مجھے یاد نہیں اسلئے میں آپ کا نہایت ممنون ہونگا۔ اگر آپ یہ میری تحریر ان کے کسی صاحبزادہ کی نظر سے گذران دینگے۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ والسلام

خاکسار

الطاف حسین حالی"

تعزیت نامہ ہز ایکسیلنسی مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت بہادر

مہربان مولوی محمد عبد الحی صاحب

میں افسوس کرتا ہوں کہ بہت دیر کے بعد میں اپنے سچے دوست اور خیر خواہ مالک و ملک و ہمدرد قوم ملا عبد القیوم صاحب مرحوم کی وفات کے بعد تعزیت میں آپکو خط لکھوں اس تاخیر کو آپ میری سستی یا بے پروائی پر یقین ہے کہ محمول نہ کرینگے بلکہ مجھے مرحوم کے فرزندوں سے تعارف حاصل نہیں تھا اسی لئے میں کوئی تعزیتی خط انکو لکھہ نہ سکا۔ فریدوں جنگ بہادر کے زبانی جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ یہاں آئے ہوئے ہیں تو میں نے مناسب خیال کیا کہ ظاہری رسم جو تھی ادا کرنیکے لئے آپکو اور آپکے ذریعہ سے آپ کے دوسرے پسماندوں کو تعزیت دوں۔ بہر حال ظاہری کے رسم تو اوپر کے فقرات سے ادا کر دی گئی۔ مگر اب میری باطنی حالت کو سنئے کہ جس وقت ملا صاحب کے اچانک انتقال کی کیفیت مجھے پہونچی۔ بہت دیر تک میری حالت متغیر رہی میں آپ کو نہیں بتلا سکتا کہ میرے قلب کی اسوقت کیا کیفیت تھی۔ صرف اسی لحاظ سے میرا حال ان کی وفات کے غم سے متاثر نہیں ہوا کہ۔ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند۔ بلکہ اس لحاظ سے کہ انکا وجود بہت غنیمت اور بے مثل تھا اور خداوند عالم نے انہیں وہ خوبیاں وسیع عطا فرمائی تھیں کہ ادبی شان اور عزت اور وقعت کے آدمی جو ہمدرد قوم اور بنی آدم تھے بہت کم کیا بلکہ النادر کالمعدوم کا حکم رکھتے ہیں ان سب کے علاوہ مجھسے جو خلوص مرحوم کو تھا وہ قریب قریب تک وجود والد کے تھا۔ اگرچہ وہ عالم مثل میں ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں اور انکے نیکیاں بھی ہمیشہ انکے نام کو زندہ رکھیں گی۔ مگر وجود عنصری کا تغیر بظاہر جسکی تلافی محال ہے ایک ایسا معاملہ ہے کہ جسکی وجہ سے انسان مجبور ہو کر رو کر تھک جاتا ہے اور ہمیشہ کیلئے اس تعین میں اس جلوہ کو نہیں دیکھ سکتا بہر حال خدا مغفرت کرے اور انکی مغفرت میں کیا شک ہے میں تہہ دل سے آپکے اور ان کے اس بے بدل غم کا بدل شریک ہوں خداوند عالم مغموم دلوں کو صبر عطا فرمائے:

ان اللہ مع الصابرین فقط

یمین السلطنت

كل من عليها فان

هذه قصيدة في رثاء فقيد العلوم والكمال وفي ارتحال البحر العلام الفاضل الفهامة ملا عبد القيوم سقى الله ثراه وجعل الجنة مثواه من المحبي المكرمي السيد محمد حسين صاحب الهاشمي الصوفي سكندرابادي مد فيضه

ماخوذ از اخبار جريده روزگار مدراس مورخه ٦ ذيقعده ١٣١٤ه

اين اشكو ان بنتي مظلم — كيف ابكي عض همّ ما القفا
دار فضل اس مجد اندرس — سمت حلم رسم علم قد عفى
سبحة العلماء زالت منهم — اثر عظم بين اعلام محى
زال فرح الفضل من صدر العلوم — انما يبكي الها اولي النهى
الفصاحة والبلاغة جملة — من صروف الدهر قد صار اسدى
عبد قيوم وملا في الكمال — كان شيخ الدهر اجمل في اللقا
زبدة الالباب لب المعنوي — عبهر الاحسان بدر الاتقا
ليث غاب العزم كان صولة — خوط بان كان اوان العطا
طود حلم كان معيار الوقار — بحر علم كان اهل الارتقا
في الفروع والاصول مثله — في تمام الهند هذا الاولا
داهي الراء فطين الفطرة — قدوة الانجاب كان في الملا
اسوة الاشراف كان رفعة — فائقا عن ابوجه الارتضا

كان في الدين حنيفا حاميا ... مواقع الحمد لحق خالصا
انفق العمر باصلاح الامور ... ر الصلاح عازما حسب الرضا
ذو المعالي ذو مقام الاقدس ... غاب عنا آه ملا كيف ذا
مات في هذا الزمان بغتة ... انه فوزا في مقام الاجتبا
آه من فقدان ارباب الكمال ... آه من غين الايادي الفنا
قد تربه الاله رحمة ... قد توفي في حيات الاوليا
فوته جم المصيبة عمه ... عم في الاقطار ارض الابتلا
آه من عدلك في الزمان ... آه ملا من مثيلك في الورا
تبكي عيني بعده في هجره ... ابك يبكوا منك من جهد البكا
اغفر اللهم كان زاهدا ... ابرد اللهم تربه دائما

قال تاريخ الوفات الهاشمي
راح في الفردوس قطب الاعتلا
١٣ هـ ٢٤

قطعهٔ تاريخ وفات ملا صاحب

عبد قیوم آنکه بد شمس العلوم ... مفخر ما در میان روزگار
نیک بنگر تا بیابی در جهان ... باقیات الصالحاتش بی‌شمار
رفت و پیچید غمش نعم البدل ... این غم دیگر که باشد ناگوار
سال فوت هجریش آید برون

صد دریغ و حسرت از فوتش که بود ... آیت والشمس عالم را مکان
بست حق جنت برای چشم تر ... بود در اسلامیان او جا بجا
چون پی تاریخ گشتم غرق فکر ... یافتم اعمار غفر و نور یادگار
دیدمی ملا مرا خوانی جابجا
١٣٢٢ هـ
مرزا امان علی آغزا

نظم اردو

از جناب سید سیف الدین صاحب شباب

جو مولانا صاحب کے ماتمی جلسہ منعقدہ فتح میدان حیدرآباد میں بصدارت نواب عماد الملک بہادر سنائی گئی

لب پہ ہر انسان کے آہ سرد ہے | جس کو دیکھو اس کے دل میں درد ہے
شکل گل جو سرخ رو تھا زرد ہے | منتشر ہر ایک شکل گرد ہے

لغزشیں منہ میں زبانیں کھاتی ہیں
باتیں لب پر سسکیوں سے آتی ہیں

بحر غم آفاق میں ہے موج زن | سینوں میں مضطر ہیں قلب پر محن
دقت و رنج و درد میں اہل دکن | لب پہ ہیں کہ آہ آتا ہے سخن

جوش غم ہے چشم گریاں سے عیاں
چاک دل چاک گریباں سے عیاں

چشم تر ہے چشمۂ دریائے غم | اس کے قطروں میں ہے لب تھا جو یم
ہو سکے سامان راحت کالعدم | توڑتے ہیں مبتلائے رنج دم

تلی ہے آفت کی گھٹا اب چھائی ہے
قوم کی کشتی بھنور میں آئی ہے

صفحۂ آفاق سے ملا اٹھے | حامی دین شہ بطحیٰ اٹھے
کیوں نہ ہر ایک ملک سے غوغا اٹھے | ان کے ایک اٹھ جانے سے کیا کیا اٹھے

گو بہت عالم ہیں پر گن وہ نہیں

علم و اخلاق و تمدن وہ نہیں

حیدہ باتوں میں فراہم کر لیا
حال روشن ہے حجاز ری کا

ہائے کس کس پر نہیں احسان کیا
حاجیوں سے بھی قرنطینہ اٹھا

فیض کی نہریں وہ جاری ہو گئیں
مشکلیں آسان ساری ہو گئیں

مولوی تھے بندہ قیوم تھے
خوب سمجھے دین کے معلوم تھے

جو طریقہ دہر میں مذموم تھے
اُن کے حسن رائے سے معدوم تھے

ان کا دل تھا محو دینی سیر میں
جان لڑا دیتے تھے کار خیر میں

ان کی وہ تقریر و تحریر تھی
جس میں مقناطیس کی تاثیر تھی

ان کی صورت فیض کی تصویر تھی
دید ان کی خلد کی تبشیر تھی

ان کا فرمان دور از تاویل تھا
حکم ان کا واجب التعمیل تھا

اور اگر جیتے تو تھا اتنا مفاد
ہندو و مومن میں ہوتا اتحاد

کاٹتی بیخ زبان بیخ عناد
بنتا خود حرف غلط لفظ تضاد

ہائے کیا ٹوٹا سہارا قوم کا
خاک اب چمکے ستارہ قوم کا

کون ہے وہ اب جو ہم کو تھام لے
تیغ تبراں کا زباں سے کام لے

کون ہے جو کار زمانہ کام لے
کون ہے جو قلب عدو تھام لے

بار غم سے سب کی کمریں جھک گئیں
ہائے کیا چلتی سب نبضیں رک گئیں

کیا کہیں مرحوم نے کیا کیا دیا
جو کہ سمجھانا تھا وہ سمجھا دیا
راستہ فردوس کا دکھلا دیا
اختر تقدیر کو چمکا دیا
تیر غم سے دل عدو کے چھن گئے
تمغۂ جنت کے قبالہ میں گئے

ہے ہر ایک جانب یہ شور شیخ و شباب
اے فلک ہے قہر تیرا انقلاب
ہو گیا اندھیر ڈوبا آفتاب
کر دعا مرحوم کے حق میں شباب
یا خدا فردوس کی جاگیر دے
صدقہ رحمت کا کہ جوئے شیر دے

نظم اردو

(از جناب مولوی سید ابراہیم صاحب عفوؔ لسان القوم)

جو ملا صاحب کے ماتمی جلسہ منعقدہ فتح میدان حیدرآباد میں زیر صدارت نواب عماد الملک بہادر سنائی گئی۔

آہ اے چرخ جور کے بانی
اس قدر ظلم و نا مسلمانی

الاماں کتنا سنگدل ہے تو
جس سے پتھر کا ہو جگر پانی

تجھ سے صد چاک دامن گل ہے
اور سنبل کو ہے پریشانی

سخت نالاں ہیں طائران چمن
صورت آہ سرو بستانی

کچھ تو ڈرتا خدا سے اے بے رحم
تجھ سے ہوتی نہ ایسی نادانی

یاد ہیں تجھ کو وہ بھی دن اے چرخ
ہم پہ تھا جب کہ لطف یزدانی

ربع مسکون تھا اپنا با انداز
ہم تھے اور دہر کی جہانبانی

ہوئے کیا کیا نہ ہم میں اہل کمال
ماہران رموز حقانی

کیسے کیسے تھے ہم میں عرش دماغ ۔۔۔ جن کے در پر تھی تیری پیشانی
ہم میں تھا ایک ایک طالب علم ۔۔۔ ترجمان کلام ربانی
بے غیر جسکو ہم میں تھے درویش ۔۔۔ عارف نکتہ ہائے عرفانی
وہاں تھی جبر نجات نصب العین ۔۔۔ بیضے نقش سجود پیشانی
حکما ایسے جن سے تھی ہر دم ۔۔۔ حکمت آموز عقل یونانی
بحر مواج علم ان کے دماغ ۔۔۔ موج تحقیق چین پیشانی
ابن حاجب کی طرح پیر خرد ۔۔۔ ایک ایک طفلک دبستانی
باہمی اتحاد ہم میں تھا ۔۔۔ کفر و ملت تھا۔ سست پیمانی
تھی عدالت ہماری پنچایت ۔۔۔ فوجداری نہ کوئی دیوانی
پنچ کے فیصلوں سے ہوتا تھا ۔۔۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی
ہیں کہاں اب وہ ماہرین فنون ۔۔۔ کاشف عقدہ ہائے ایمانی
ہے کہاں وہ معلم اول ۔۔۔ ہے کدھر وہ معلم ثانی
جنس حکمت کا ہے گراں بازار ۔۔۔ لے گیا سب حکیم ارزانی
قوم میں کوئی رمز خواں نہ رہا ۔۔۔ سب کو ہے فخر مرثیہ خوانی
تھا ان خال اہل فن جو تھے لیے جرح ۔۔۔ قدر ان کی نہ تونے پہچانی
آہ نالاں بھی ہو سکے ہم سے خفا ۔۔۔ چھپ گیا ہے جیسے گنج پنہانی
آہ لائے ہاں کہ قبل از وقت ۔۔۔ شدہ راہی ملک روحانی
عبد قیوم ۔ نام ۔ عاشق قوم ۔۔۔ خندہ رو ۔ ہم کشادہ پیشانی
طبع اور یوں سحاب دریا بار ۔۔۔ سیف دستش چو ابر نیسانی
جس کی مہمان نوازیوں کے فدا ۔۔۔ عربی ہندی اور ایرانی
عالم دہر فاضل بے مثل ۔۔۔ تھا معارف کا بھی وہی بانی

جس کے حامی ہیں خود عماد الملک
مقصد اور مشیر سلطانی

بہر اخلاق و مہر چرخ ادب
جوہر فضل و فرد لاثانی

قدر کی اپنے وقت کی جس نے
ہوگیا اس پہ فضل رحمانی

جئے بالفرض کوئی لاکھ برس
زندگی یہاں کی ہے گر آنی

تاکجا ذکر ما مصطفےٰ اے عفو
وقت ہے تنگ حرف طولانی

ہے مناسب کہ جب ہو جلسہ ختم
ہو بہ اخلاص فاتحہ خوانی

دو آنسو

از جناب مولوی سید ضمی الدین حسن صاحب کیفی

ماخوذ از رسالہ صحیفہ ماہواری بابتہ سنہ ۱۳۱۶

آج ماتم ہے بپا ہند سے تا خطۂ روم
مر گیا فخر دکن مولوی عبد القیوم

افتخار العلماء رکن رکین اسلام
وجہ تابندگی نیر رخشان علوم

حاجی خانہ محمود خدا سے برتر
زاہد روضۂ پر نور نبی مخدوم

وضع ملایانہ مگر صلح کل آزاد خیال
لجع زاہدانہ مگر تارک بدعات و رسوم

قوم کا اپنی بہی خواہ تمام عمر
تھا فدا امت مرحومہ پہ دل مرحوم

ایسے لوگ اچھے زمانہ میں ہیں اکثر مفقود
ایسے اشخاص ہیں اس عہد میں مطلق معدوم

یوں تو تھا سوقت بہت نام کے مصلح قوم
قول محمود مگر فعل میں ہیں جن کے مذموم

جنکی نیت میں فنا اور طبیعت میں ہو شر
ان سے کب قوم کی اصلاح کا ہو یا معلوم
مرنے والے نے بصد طرح سے کی خدمت قوم
نیک نیت تھی ہر اک کام میں لازم ملزوم

میں یہ کہتا نہیں دنیا میں کوئی نیک نہیں
ہاں مگر سچ ہے کہ مرحوم سا اب ایک نہیں

قوم کے دل میں نہ ہوگا کبھی درد پیدا
خشک لب ہو گئے ہوگا کبھی نہ خندہ پیدا
اشک آنکھوں سے اسطرح سے نہ کیوں بہتے
مر گیا آہ کہاں قوم کا ہمدرد پیدا
اب توقع ہی تو باقی نہیں پیدائش کی
کہ پھر اس قوم میں پیدا ہو کوئی مرد ایسا
آئے لندن سے اگر اب کے کوئی مستقیمی
ہے زمزم کا کنواں پایا ہو۔ پیاسے سر پا
سچ ہے غلط اس سے ہی کہ میں پایا ہوتی
سب مسلمان کی غیرت ہی ہمدرد ایسا
بند کردے سے تقریر میں حق گوئی سے
ملے لیے قوم میں اب کوئی جوانمرد پیدا
پر زخم سے اپنے پہرے دل کے چلہ کیلئے
جابجا بیٹھے ہیں کوئی جہانگرد ایسا
کوڑی کوڑی کا حساب اسنے بتایا سب کو
فرد ایسی لکھی۔ کوئی نہیں فرد ایسا
خوب جی کھول کے آج اسکے لئے رو اے قوم
کب تجھے پھر تو نہ بھرنا ہے دم سرد ایسا

عمر بھر ہوتے رہے ماتم عبد القیوم
دل میں کھینچ کے ہے طبل غم عبد القیوم

تاریخ انتقال

از مولوی ابوالفضا محمد منور حسین صاحب گوہر سی

(ماخوذ از اخبار مخبر دکن مدراس)

ہائے کیسے خیر خواہ قوم کی رحلت ہوئی | یہ خبر جس نے سنی اس نے کہا صد حیف
سال دردانگیز اسکا تم بہی اگر کہو | جان نثار قوم دنیا سے گیا صد حیف ہے

۱۳ ـ ھ ـ ۲۴

جلسہ ہائے تعزیتی

جلسہ تعزیتی حیدرآباد

بتاریخ ۲۷ شوال سنہ ۱۳۲۴ فدائے قوم ملا عبدالقیوم صاحب کا تعزیتی جلسہ محبوب گرانڈ اسٹانڈ فتح میدان میں زیر صدارت نواب عماد الملک بہادر ساڑہے چار بجے منعقد ہوا جس کا اعلان ہر مذہب و ملت کے ۸۶، سربرآوردہ اشخاص کی دستخطوں سے جاری ہوا تہا۔ جلسہ میں ہر مذہب و ملت کے اشخاص موجود تہے جس سے مرحوم کی ہر دلعزیزی اور ہمدردی بنی نوع انسان کی شہادت مل رہی تہی۔

اظہار رنج و غم کی پہلی تحریک پیش کرتے ہوئے محمد اختر صاحب نے ایک دلچسپ اور موثر تقریر کی۔ جس کی تائید دستور خورشید جی نے زور و شور سے انگریزی زبان میں کی۔ کستا چاری صاحب بی۔ اے بی ال نے پرلطف سنجیدہ تقریر کے ساتھ انگریزی زبان میں مزید تائید کی۔

مرحوم کے پسماندوں کو سرکار عالی کی جانب سے معقول وظیفہ[ھ] عطا کیے جانے کی دوسری تحریک سید ہمایوں مرزا صاحب بیرسٹر لانے کی۔ سید سیف الدین صاحب شباب نے اس تحریک کی تائید کرتے ہوئے ایک نظم سنائی۔

ھ سرکار عالی نے مرحوم کے پسماندوں کے نام معقول وظیفہ جاری فرمایا ۱۲

تیسری تحریک انگریزی میں مسٹر ووراجلو مدلیار نے پیش کی کہ صدر انجمن کو اختیار دیا جائے کہ وہ ان تحریکات کی ایک کاپی ہز اکسلنسی مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر مدار المہام کی خدمت میں پیش کریں اور انسے درخواست کریں کہ وہ برابر نوازش بارگاہ خسروی میں مراحم خسروانہ کے لئے گزران دیں۔ اس تحریک کی تائید میں مولوی محب حسین صاحب سابق مدیر معلم نسواں نے تقریر کی۔

چوتھی تحریک ہیم چند صاحب بی اے نے بزبان اردو پیش کی کہ مولوی عبدالحی صاحب برادر کلاں مرحوم، نواب معین المہام بہادر اور اعلیٰ عہدہ داران ریاست کی خدمت میں ان تحریکات کی ایک نقل روانہ کردیں اس کے بعد مولوی سید شاہ ابراہیم صاحب تخلص نے ایک برجستہ نظم سنائی آخر میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ نے صدر نشین کا شکریہ ادا کیا اور چھ بجے جلسہ برخواست ہوا۔

جلسۂ تعزیتی مدراس

بتاریخ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ روز پنجشنبہ شام کے پانچ بجے کارخانہ مجلہ دکن مدراس میں ایک جلسہ عام بصدارت احمد محی الدین خاں بہادر منعقد ہوا جس میں علماء و عمائدین شہر اور باشندگان حیدرآباد مقیم مدراس شریک تھے۔

مولوی سید شاہ محمد فخر اللہ صاحب فخری نقوی، مولوی محمد منور صاحب گوہر، محمد اسمٰعیل صاحب سیٹھ متوطن، مولوی سید شاہ نظام الدین صاحب فخری نقوی کے تقاریر و نظم خوانی کے بعد مولوی غلام محمد صاحب شلوی نے پرجوش اور موثر تقریر کی۔

اظہار رنج اور تعزیت و وظائف پسماندگاں کے تحریکات پیش ہوئے۔ نماز مغرب نماز جنازہ غائبانہ ادا کرکے بعد لطف افطاری کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔

جلسۂ تعزیتی محبوب نگر

انجمن اصلاح تمدن و معاشرت محبوب نگر کی جانب سے

زیر صدارت مولوی سید محمد یوسف الدین صاحب اول تعلقدار تعزیتی جلسہ منعقد ہوا۔
صدر نشین صاحب کی تقریر کے بعد مولوی میر منور علی صاحب سوم تعلقدار نے اظہار
تعزیت کی تحریک پیش کی۔ محمد عبد الحفیظ خان صاحب معتمد انجمن نے پرورش پسماندگان
اور انکے فرزندوں کو عطائے جائداد کی تحریک پیش کی قاضی محمود حسین صاحب نے
تحریک کی کہ آیندہ جمعہ کو بعد نماز جمعہ بغرض ایصال ثواب قرآن خوانی
کیجائے۔

جلسہ ہائے قرآن خوانی مکہ مسجد مسجد الماس واقع چادر گھاٹ، مسجد
عثمان شاہی جامع مسجد محبوب نگر اور گلبرگہ شریف
وغیرہ کے مختلف مقامات پر قرآن خوانی کے مجالس منعقد ہوئے۔

خاتمہ

آج محسن ہند کو کہلے کا نام زندہ رکھنے کے لئے ہر قسم کی کوشش عمل میں لائی جاتی ہے
لیکن ہمارے بے حسی کی ایک بڑی کھلی نشانی یہ ہے کہ قوم اور وطن کے اکیلے دردمند
ملا عبد القیوم مرحوم کا ذکر خیر آیندہ نسلوں تک پہونچا نیکے لئے ہم نے اب تک کوئی توجہ
نہیں کی ہے۔ نواب مختار الملک مرحوم کے رفارم بالفاظ دیگر بنائے دار العلوم کے
قیام کے بعد سے اس نصف صدی سے زاید عرصہ میں محبوب البلاد حیدرآباد میں وقتاً فوقتاً
بکثرت نامور افراد کا جلوہ نظر آتا رہا ہے۔ جن میں بعض بلحاظ اپنے ذاتی قابلیت کے
بعض بلحاظ اپنے کارگذاری کے تاریخ حیدرآباد میں ہمیشہ یادگار رہینگے۔
باہر سے آئے ہوئے ذی مرتبت افراد سے قطع نظر خود ہمارے دار العلوم نے حیات
جاوید رکھنے والے مشہور آفاق علماء ملت۔ مصلحین معاشرت ......
ناموران سیاست وانتظام، نکتہ سنج وژرف نگاہ بیدار مغز کچھ کم نہیں پیدا کئے

لیکن حق یہ ہے کہ باہر آئے ہوئے افراد اور خود ہمارے ملک کے نکلے ہوئے اصحاب دونوں جماعتوں میں ایسا انسان جس کا دل قوم و ملک کی سچی محبت ۔ خلوص ۔ ایثار سے بھرا ہوا ہو جو اظہار حق میں بلا خوف لومۃ لائم شد و مد کے ساتھ کھڑا ہو جائے ۔ جو قوم کی بہبودی اور عام جذبات ملت کے سامنے اپنے ذاتی نقصان کی مطلق پروا نہ کرے بلکہ اسکو بلا کسی نمائش و تصنع و بلا کسی دلی کوفت کے اطمینان خاطر اور مسرت قلبی کے ساتھ برداشت کرے ۔ ترقی قوم و ملک جسکی اصلی امید و آرزو ہو اور جو اسی دھن میں آخر حتی الوسع کام کرتے کرتے فنا ہو جائے ۔ قصہ مختصر جسکو فنا فی القوم کا درجہ حاصل ہو ۔ بجز ملا محمد القیوم کے دوسرا نظر نہیں آتا ۔

ایسے ہی ملک میں ضرورت سخت ضرورت ہے کہ ملا یسے قومی الحس عدیم المثال فرد کا ایک مکمل تذکرہ مرتب ہو تا کہ وہ اس خواب غفلت میں مخمور سوسائٹی میں احساس پیدا کرنے کا ایک موثر آلہ بن سکے

مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کے اصول پر چند صفحے قوم کے روبرو اس اعتراف کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں کہ یہ کچھ بھی نہیں ۔ اور اس میں تذکرہ نگاری کا کوئی حق ادا نہیں کیا گیا ہے ۔ لیکن نہ ہونے سے کچھ ہو جانا بہتر ہے اور امید کی جا سکتی ہے ۔ کہ یہ خام نمونہ آئندہ مکمل تذکرہ کے وجود میں آنے کے لئے دلیل کا کام دیگا ۔

والسلام خیر ختام

مرتضیٰ

سکریٹری انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم

تالیفات انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن

اخلاق رسالت پناہی صلعم مولفہ مولوی حافظ محمد مظہر صاحب سلیس

اردو زبان میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادت بیان کئے گئے ہیں

چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کیلئے نہایت مفید رسالہ ہے حجم (۲۶) صفحہ

قیمت کاغذ چکنا (۲/۶/) کاغذ کھرا (۲/)

بزم انجم - مولفہ مولوی فاضل محمد عبدالرب صاحب کوکب -

رسالہ اتالیق جس میں عام فہم زبان میں سورج چاند سیارات اور ثوابت کے

بیان کئے گئے ہیں - صرف چند نسخے باقی رہ گئے ہیں حجم ( ) صفحہ قیمت ۴

ملنے کا پتہ

(۱) دارالکتب صحیفہ بیرون دروازہ چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

(۲) مینجر صاحب رسالہ واعظ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن

(۳) محمد بن عبداللہ صاحب ایجنٹ اخبارات چتہ بازار

(۴) محمد عبدالسلام صاحب سررشتہ دفتر صدر مہتمی تعلیمات گلبرگہ شریف

صدائے کلام ام البنین علیہا السلام

(مؤلفہ)

مولوی فاضل محمد مرتضیٰ صاحب معتمد انجمن ترقی تعلیم و ثروت انجمن طلبہ قدیم

مجلس اصلاح معاشرت مسلمین و مہتمم اوقاف ممالک محروسہ سرکار عالی

سلسلۂ تالیفات انجمن طلبہ قدیم نشان (۳)

(باہتمام)

محمد عبد الوہاب عندلیب

مطبع اعظم جاہی شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن میں طبع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میلاد خاتم النبیین علیہ السلام

آج خالق کون و مکاں کی درگاہ میں اس خاتم النبیین کے میلاد پر شکر ادا کرتے ہیں جس کے پیرو ہونے کی بدولت ہم کو کُنتُم خَیرَ اُمّۃٍ اُخرِجَت لِلنّاسِ کی وہ لاثانی نعمت عطا ہوئی ہے جس سے بڑی ہوئی کوئی نعمت اس عظیم الشان تماشاہ گاہ عالم میں ہو نہیں سکتی۔ پیروان اسلام کے لئے اس سے زیادہ سرمایہ نازش و افتخار کیا چیز ہو سکتی ہے کہ ان کو اس عالم کے پیدا کرنے والے نے جس نے اس میں ہزارہا اقوام و امم کا سلسلہ جاری رکھا ہے "خیرامت" کا بہترین خطاب مرحمت فرمایا۔ درحقیقت ایسی نعمت عظمیٰ (جس کے مقابل کوئی نعمت ہو نہیں سکتی) کا شکر ادا کرنا ہماری ضعیف طاقت سے خارج ہے کہ اس خاتم النبیین کی بدولت ہم کو اس اعلیٰ ترین خطاب انسانی کا اعزاز حاصل ہوا اور اس لئے جو کچھ خوشی ایسی ذات والا کے دنیا میں آنے پر منائی جائے وہ حقیقت میں تھوڑی ہے۔

اس پر اسرار تماشا گاہ میں انسان کے ساتھ دین و مذہب بھی

اس کا سب سے بڑا رفیق ہے اور انسان کے ساتھ سب سے زیادہ موثر جو چیز لگی ہوئی ہے وہ اس کا مذہب ہے۔ مذہب ہی اس کے تمام کاموں کا زندگی میں منشار ہوتا ہے اور مذہب ہی پر اس کی پر اسرار زندگی کا اس دنیا میں خاتمہ ہوتا ہے جو جو اپنے آپ کو لا مذہب مُنہ سے کہتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ درحقیقت لا مذہبی بھی ایک مذہب ہے فرق صرف نقص اور کمال کا ہے۔ مادیت، لا ادریت، دھریت گو مذہب کی زبانی زور و شور سے تردید کرتے ہیں لیکن جو لوگ ان الفاظ کو مُنہ سے نکالتے ہیں وہ بذات خود اس امر کے گواہ ہیں کہ مذہب سے ان کی زندگی خالی نہیں رہ سکتی۔ پس ہم خدا کا شکر کس طرح ادا کر سکتے ہیں کہ اس نے ہم کو خیر الامم قرار دیا ہے یہ خیریت کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم اس خاتم النبیین کی امت میں ہیں۔ جس کی شان خود اسی خالق کون و مکان نے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ بیان فرمائی ہے اور جس کی مبارک تعلیم نے دائمی لازوال ہدایت کا وہ سرچشمہ جاری کر دیا ہے جس کے روبرو پھر کسی نبی کی ضرورت باقی نہ رہی اسی خیریت کے اوامر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ایمان باللہ خود خدا نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اور ان دونوں اجزار میں جمع عموم رحمت ہے وہ محتاج بیان نہیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کی بدولت تمام اقوام عالم نے ہر قسم کا فائدہ اٹھایا ہے جس کی کسی قدر توضیح کی جاتی ہے۔

تمام انبیاء اسی توحید کی روشنی پھیلاتے رہے لیکن فطرت انسانی نے ہر وقت اس توحید میں کفر کے رخنے ڈالے

تھے تاآنکہ خاتم النبیین کا ظہور ہوا۔

اس وقت یہودی و نصرانی دو بڑے اہل کتاب تھے دونوں میں مختلف قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ یہودی ظاہر پرستی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور مسیحی مذہب روحانیت ورہبانیت کے پردہ میں فما رعوھا حق رعایتھا کا مصداق بن کر اس شرمناک سیہ کاری میں مبتلا تھا جس سے تاریخیں بھری پڑی ہیں یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم اس عموم رحمت کو ثابت کرتا ہے جس کے ذریعہ سے اسلام نے ان دونوں اہل کتاب کو فائدہ پہنچایا اس ہدایت کا نتیجہ تھا کہ ہزارہا اہل کتاب نے بطوع و رغبت اسلام کا کلمہ پڑھنا شروع کردیا۔ پروفیسر آرنلڈ نے یہ بھی واقعات سے ثابت کردیا ہے کہ مصر و شام کا گویا خالص اسلامی آبادی بن جانا محض اسی سچے تبلیغی ہدایت کا اثر تھا اسی تبلیغی رحمت کا ظہور تھا کہ یہ ممالک جو یہودیت و نصرانیت کے مرکز تھے خالص دین حنیف ابراہیمی پر رجوع ہوگئے جو لوگ اس حقیقی رحمت کو تسلیم نہ کریں وہ بھی اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ غیر مسلم اہل کتاب بھی فیض رحمت سے محروم نہ رہے جو حریت مذہبی تمدنی برکت غیر مسلم اہل کتاب کو حاصل ہوئی تاریخیں اس سے بھری ہوئی ہیں اور پروفیسر آرنلڈ کی کتاب پریچنگ آف اسلام (دعوت اسلام) اس کا نہایت موجز خلاصہ ہے۔

یہودیوں پر عموم رحمت | زمانہ گزشتہ سے قطع نظر اب زمانہ موجودہ پر ہی نظر ڈالیے تو کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرسکتا

کہ آج دنیا میں یہودیوں کی پشت و پناہ کوئی سلطنت ہے
تو وہ خلافت اسلامی ہی ہے۔ یورپ میں جہاں مذہبی حریت
کے دعوے نہایت زور و شور سے بلند ہیں یہودی ضربت
علیہم الذلۃ کے مصداق ہیں لاکھوں یورپ سے جلا وطن کئے
گئے اور ان کو صرف خلافت کے سایہ میں جگہ ملی اس سے
زیادہ کیا چیز عموم رحمت کی دلیل ہو سکتی ہے کہ اشد الناس
عداوۃ للذین امنوا کو کوئی امن کی جگہ ہے تو وہ اسلامی
ہے جو مذہب اپنے اشد دشمن کو مذہبی حریت، تمدنی رحمت
عطا کرے انصاف کرو کہ آیا اس سے زیادہ کوئی پُر رحم
مذہب ہو سکتا ہے؟ اور اس سے صاف نظر آسکتا ہے کہ
اسلام کا کبھی یہ منشا نہ تھا اور نہ ہے کہ اپنے مذہبی مخالفوں کو
بزور شمشیر دنیا سے نابود کر دے بلکہ اس کا منشا یہی تھا
اور رہیگا کہ سچے معیار حق کے پیش کرنے کے ساتھ ہی
تمدنی آزادی اور مساوات کا دروازہ تمام اقوام و امم (حتیٰ کہ
اپنے مخالفین) پر بھی بے دریغ کھول دے۔ یورپ انصاف
کرے کہ باوجود ادعائے حریت کیا اس نے حقیقی حریت
و مساوات کی ایسی روشن مثال اپنی تاریخ میں قائم کی ہے۔

مسیحیوں پر عموم رحمت | مسیحی مذہب جو دراصل یہودی مذہب کا
اصلاح شدہ طریقہ تھا قبل اسلام کے زمانہ میں بھی اس کی
حالت بھی یہودی مذہب سے کچھ بہتر نہ تھی اس میں نفسانی
اغراض کے لئے فرقہ بندیاں اس زور و شور سے تھیں کہ حضرت
مسیح علیہ السلام کی عام ہمدردی اور اخوت کا نمونہ نظر ہی نہیں

آتا تھا۔ رحمۃ للعالمین نے ان کو اقربھم مودۃ للذین امنوا۔ ارشاد فرما کر اِس فیض رحمت سے قریب ہونے کا راستہ بتا دیا۔ اسلام نے ہی مسیحیوں کو بتایا کہ جس چیز کو وہ مسیحیت سمجھتے ہیں اس کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں اسلام نے ہی سب سے پہلے یہ صدا بلند کی کہ تثلیث کی تعلیم کبھی حضرت مسیح علیہ السلام نے نہیں دی۔ صدیوں کی تحقیقات کے بعد یورپ بھی اِس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ فلسفہ کے بگڑے مسائل جو شام و مصر میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے اثر سے مذہب عیسویت میں تثلیث حضرت مسیح علیہ السلام کے کئی صدی بعد مسیحیت کا جزو بنی مثلاً کونٹ ٹولسٹی آنجہانی جس نے اس زمانہ میں ایک عظیم الشان مذہبی انقلاب روسیوں میں پیدا کر دیا ہے اور جسکے لاکھوں متقلد ہیں زور و شور سے تثلیث کا منکر اور توحید کا مقر ہے اسکی تصانیف تعلیمات کے اثر سے لبریز ہیں اور وہ علانیہ اسلام کے فضائل کا معترف ہے پس جو کچھ تمدنی برکتیں آج یورپ پر نازل ہیں وہ خود انصاف کرے کہ کہاں تک وہ اسلام کی عموم رحمت سے متاثر ہے؟

پس آج جو تاریخی حقیقت ناممکن التردید طور سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے رحمۃ للعالمین نے تیرہ سو سال سے پہلے بذریعہ وحی ظاہر کرکے مسیحیوں کو موقع بخشا کہ اصلی اور سچے مسیحی بنکر توحید کا غلغلہ اور دین ابراہیم علیہ السلام کا اصلی نور دنیا میں پھیلائیں اور اصل مسیحیوں نے جس زور و شور سے اس خوان کرم سے حصہ لیا اس کی گواہی تاریخ کے ہر دور سے ملتی ہے یہودی جب باوجود اشد الناس عداوۃ ہونے کے اس فیض سے محروم نہ رہے اور ہزارہا یہودی اصل ملت ابراہیم پر رجوع ہو گئے تو یہ صاف

کھلی ہوئی بات ہے کہ مسیحیوں نے بدرجہا اس فیض سے فائدہ اٹھایا ہوگا لاکھوں اسلامی خاندان ایسے ملینگے جنہوں نے سچے مسیحی بننے کا شرف دو جہاں حاصل کیا اور مسلمان نہ ہوئے ان پر بھی تمدنی برکتوں سے قطع نظر کسی نہ کسی ذریعہ سے خود مذہبی انداز میں رحمت اسلام سایہ فگن ہوئے بغیر نہ رہی۔ رحمت اسلام کا اثر تھا جس کی بدولت یورپ نے یورپ کی غلامی سے نجات حاصل کی۔ اسلام ہی کا اثر تھا جس نے پراٹسٹنٹ چرچ کی بنا ڈالی جس کا اصلی آئیڈیا بہ نسبت حقیقی تثلیث کے مائل بہ توحید ہے اور جو تثلیث کو فقط بطور رمز کے قرار دے کر دراصل عملاً مذہب سے خارج کر دیتا ہے۔ لوتھر کی لائف صاف صاف صدا سُنا رہی ہے کہ اس کے دل میں اصلاح کا مسئلہ اسلام ہی کے فیض تعلیم کا اثر تھا اور کیا عجب ہے کہ لوتھر کو اور زندگی نصیب ہوتی تو ایک دن اسلام یا مسیحی مسیحیت کا کلمہ یورپ میں بلند ہو جاتا۔ رحمت اسلام نے ہی یورپ کو آج اس درجہ پر پہنچایا ہے۔ پراٹسٹنٹ اور اسلام میں صرف اس قدر فرق ہے کہ پراٹسٹنٹ اپنے قدما کی بات ہاتھ سے نہ جانے کے لئے (یا یوں سمجھیئے کہ جھوٹی تقلید کے اثر سے) تثلیث کو صرف بطور رمز قرار دیکر عملاً دائرہ مذہب سے خارج کر دیتے ہیں۔ لیکن ابھی ان کو یہ توفیق حاصل نہیں ہوئی کہ وہ اس صاف تاریخی حقیقت کا اقرار کریں کہ تثلیث کو بطور رمز ماننے کی بھی بطور مسیحی پیرو مسیح علیہ السلام کے کوئی ضرورت نہیں اور تیسری صدی مسیحی تک کہ مسیحی مسیحیوں کی تقلید کریں جن کی تقلید کی طرف بلانا رحمت اسلام کا اصلی مقصد ہے۔ پس جیسا کہ اب کونٹ ٹولسٹی

تسلیم کرتا ہے کہ محققین یورپ اگرچہ مسلمانوں کے فیض تعلیم کا برملا اعتراف کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا مذہبی اثر یورپ پر نہ ہوا۔ جب ہم لوتھر و دیگر مصلحین مذہب کے تذکرہ نویسوں سے یہ ناممکن التردید شہادت پاتے ہیں کہ یہ اصلاحی تحریک اسلام کی رحمت سے ماخوذ تھی تو پھر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ یورپ پر اسلام کا مذہبی اثر نہ ہوا موسیولی بان نے ایک عمدہ سوال اپنی کتاب میں چھیڑا ہے کہ جب مسلمانوں کا اس قدر احسان یورپ پر ہے تو کیوں زمانہ حال کے عام مصنفین یورپ مسلمانوں کا احسان نہیں مانتے اور الٹے ان کو گالیاں دینا اپنا اہم فرض سمجھتے ہیں اس سوال کا اس نے نہایت درست جواب دیا ہے کہ وجہ محض وہ موروثی تعصب ہے جو یورپ میں کروسیڈ کے زمانہ سے پیدا ہوگیا تھا اور اب تک باقی ہے جس کی وجہ سے اس اظہار حقیقت کی توفیق نہیں ہوتی یہ بالکل صحیح حقیقت ہے اور خود لی بان بھی اس عام تعصب سے نہ بچ سکا جس کی بدولت وہ صرف مسلمانوں کا احسان مانتا ہے لیکن اسلام کا احسان تسلیم نہیں کرتا مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا ہو جائیں جو اہل یورپ کو ان کی زبانوں میں ان تاریخی حقائق سے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں سچی حمیت اسلام کے ساتھ آگاہ کریں (جس کا کچھ نمونہ مولانا امیر علی کے تصانیف میں پایا جاتا ہے) تو اسی دن یورپ میں جھوٹی مسیحیت کا چراغ گل ہو جائیگا۔ لیکن ایسے روشن ستارے کب اپنی چمک دمک سے اس تاریک اور سرد زمین میں اپنا نور پھیلانے لگینگے؟

زرتشتیوں پر عموم رحمت | ان دونوں سامی مذاہب کے بعد ہم آرین مذاہب
پر متوجہ ہوتے ہیں۔ عرب کے دوسرے جانب زرتشت مذہب
اور ہندو تھے ان پر بھی اسلام کی رحمت اس سے کچھ کم سایہ فگن
نہیں ہوئی جسطرح سامی والوں پر۔ افسوس ہے کہ عام طور پر لوگ
مذہب زرتشت کی اصلی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں۔ میں نے
اپنے ایک تاریخی مضمون مطبوعہ صحیفہ ماہواری میں محققین اسلام
کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ زرتشتی بھی اہل کتاب ہیں اور
جس قدر قربت زرتشت کو اسلام سے تھی وہ کئی حیثیتوں سے یہودی
و نصرانی مذہب سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ
پیروان زرتشت بھی یہود و نصاریٰ سے زیادہ اسلام کے حلقہ
بگوش بنے جس کا ثبوت "جملۃ الاسلام اکثرہم العجم" کے مسلم واقعہ
تاریخی سے ملتا ہے۔ جس کی نظیر ایک حضرت امام اعظم قدس سرہٗ
ہیں۔ پیروان زرتشت کے رومیوں (مسیحیوں) عبرانیوں (یہودیوں)
کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ حلقہ بگوش اسلام ہونے سے اس امر کا
ثبوت ملتا ہے کہ مذہب زرتشتی بہ نسبت عبرانی مذاہب کے ملت
ابراہیم سے زیادہ قریب تھا ان لوگوں کو قرآن میں وہی اصول
دریافت ہوئے جو اُن کے مذہب میں موجود تھے اور ایزد
و اہرمن کی جگہ اللہ و ابلیس اُن کو پڑھنا پڑا۔ دنیا کا چھ
زمانوں میں پیدا ہونا ابتداء میں آدم کے بیگناہ ہونے کا
قصہ ملائکہ اور شیاطین، حشر و نشر، جنت و دوزخ دونوں مذہبوں
میں ایک تھے۔ روزانہ عبادت میں بھی بہت باتیں یکساں تھیں
تزکیہ نفس کا اصول بھی ان میں قائم تھا۔ اسلام کی طرح
"اوستا" سے بھی ان میں پانچ وقت عبادت کرنے کی تا

تھی۔ اسماء الرجال کا سرسری مطالعہ بھی ثابت کر سکتا ہے کہ ناموران اسلام کا دو تہائی حصہ ایرانی النسل تھے بحالیکہ اس کے مقابلہ میں عبرانی و رومی النسل ناموران اسلام کی تعداد گویا صفر ہے اس عموم فیض کے سامنے ضرورت نہ رہی کہ تمدنی برکتوں کا شمار کیا جائے کیونکہ جب اس قدر اختلاط عرب و عجم میں ہو گیا تو پھر ان کا علیحدہ حصہ ہی کہاں رہا تھا جو متمائز حیثیت میں نظر آتا۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ" کسریٰ نے نامہ مبارک چاک کر دینے سے اگرچہ کسروی سلطنت کا نام و نشان مٹا دیا لیکن اس کے معاوضہ میں کسرویوں کو یہ دولت سرمدی نصیب ہوئی۔

ہندوؤں پر عموم رحمت | زرتشتیوں کی حقیقت سے مسلمان جس قدر زیادہ ناواقف ہیں اس سے بدرجہا ہندوؤں کی حقیقت مذہب سے عموماً بیگانگی رہی ورنہ یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس اسلام کی رحمت کا اثر ہوتا تاہم یہ امر یقینی ہے کہ ہندوستان میں جو سات کروڑ مسلمان بستے ہیں ان میں ایک معتدبہ حصہ ان افراد کا ہے جس کو سرزمین ہند نے بطوع و رغبت اسلام کے دامن عافیت میں دیا۔ پروفیسر آرنلڈ نے نہایت صحیح طور سے بتایا ہے کہ "اسلام کو ہندوستان میں کامیابی در اصل ایسے زمانہ اور ایسے مقامات میں ہوئی جہاں کہ مسلمانوں کی سیاسی طاقت بالکل ضعیف تھی یا سرے سے تھی ہی نہیں۔ میں نے در اصل ہند کی تاریخ میں جس طور سے اس حصہ تاریخ کی وضاحت کی ہے اس کو اس موقع پر دہرانا غیر ضروری ہے" سواحل ہند میں مسلمانوں کی تعداد

صوبہ آگرہ و اودھ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ تاجر پیشہ داعیان اسلام نے سواحل ہند میں فاتحین اسلام محمود غزنوی و شہاب الدین غوری سے کئی صدیوں پہلے جو عظیم الشان تبلیغی نمایاں فتوحات حاصل کئے ہیں وہ اُن کے فتوحات سے زیادہ اہم ہیں اور اقوام ہند میں تبلیغ و ہدایت کے ذریعہ سے اپنی تعداد بڑھانے کا ذریعہ ایسا ہے جو آج بھی مسلمانوں کو خود بقول پروفیسر گوکھلے پہلے سے زیادہ آسانی کے ساتھ حاصل ہے۔ مساوات اسلام ہے جو ہزاروں نیچ قوم والوں کو اسلام کے سایہ میں خود بخود جذب کر سکتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے جہاں ہم میں ایسے افراد نہیں ہیں جو یورپین زبانوں میں اتمام حجت کر سکیں تو ساتھ ہی ایسے بھی افراد نہیں جو اس سہل وادی میں قدم رکھیں ان حاشیہ بوسان اسلام کے علاوہ کو ان کی ذاتی حالت میں اسلامی رحمت نے جو لازوال فائدہ پہنچایا ہے اس کے منصف مزاج ہندو بھی نہایت شکریہ کے ساتھ معترف ہیں۔ ہندوؤں میں جو نئی مذہبی اسپرٹ پیدا ہوئی وہ رحمت اسلام ہی کی برکت ہے۔ گرونانک وغیرہ کی تلقین میں اسلامی ہدایت ہی کا جلوہ نمایاں ہے یہ اسلام ہی کا فیض ہے جس نے ہندوستان کے جدید رفارمر کے بانی اور تمام فرزندان بلا استثنا عظیم الشان ہیرو راجہ رام موہن رائے کو الکی اظہار حقیقت کی راہ بتائی کہ ویدوں میں کوئی امر توحید کے منافی نہیں ہے۔ یہ اسلام ہی کا فیض تھا جس نے راجہ رام موہن رائے میں نہ صرف ہندوؤں کے افسوسناک مذہبی اور سوشیل رفارم کا خیال پیدا کیا بلکہ اسی فیض اسلام کے بدولت اُن کی زبان سے نہ [illegible]

کہ انجیل میں بھی تثلیث کا وجود نہیں ہے۔ اور اسی طرح صرف توحید ہی توحید ہے جو تمام ادیان و مذاہب کا ہے (یہ واضح رہے کہ ویدوں کے اسرار سے پردہ اٹھانے کا فخر اہل یورپ سے پہلے مسلمانوں ہی کو حاصل ہے۔ محقق ابو ریحان بیرونی وہ اسلامی سنسکرت داں عالم تھے جس نے قبل اس کے کہ ماڈرن یورپ وید کا کلمہ پڑھنے لگے ویدوں سے صداء توحید علمی و مذہبی دنیا کے روبرو پیش کی۔ ماڈرن انڈیا کے نامور رکن جسٹس رانا ڈے آنجہانی وہ محقق ہند ہیں جنہوں نے نہایت زور و شور کے ساتھ ان تمدنی احسانات کا راگ گایا ہے جو اسلام کے عموم رحمت سے باشندگان ہند کو حاصل ہوئی۔ یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ دنیا میں ہندو ہی ایسی قوم ہے جو کسی قوم سے متاثر نہیں ہوئی لیکن میدان تحقیق نے ثابت کر دیا کہ لباس، فیشن، ماند و بود، علم و فن، ذرائع معیشت اور رفتار تمدنی بلکہ خود مذہب ان تمام باتوں میں ہندوؤں نے مساوی مساوی حیثیت میں اسلام کے عموم رحمت سے فیض اٹھایا ہے خود داعیان اسلام کی کوشش کا تمدنی حیثیت سے ہندوؤں کو حیثیت ہندو ہونے کے یہ فائدہ پہنچا کہ ساحل پر سیکڑوں نئے شہر بس گئے دولت کی توفیر ہونے لگی۔

بودھ پر عموم رحمت | اب صرف بودھ رہ گئے ہیں۔ درحقیقت چین نے اس عموم رحمت اسلام سے جو عظیم الشان فائدہ اٹھایا ہے وہ حیرت انگیز اور سچا معجزہ ہے کبھی چین میں اسلام کی تلوار نہیں چمکی لیکن باایں ان مقامات میں جہاں ایسی تلوار چمکی بعض اسلام چین میں کچھ کم نہیں بلکہ کئی حیثیتوں سے بڑھا ہوا ہے

چین کے مسلمان اس امر کا قطعی ثبوت ہیں کہ اگر اسلام کے ساتھ تلوار نہ بھی رہی ہو تو اس وقت بھی اس کی عظمت کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین کی رحمت دنیا کے ہر ہر کونہ میں کسی نہ کسی رنگ میں اپنا فیضان پہنچائے بغیر نہ رہی۔

یہاں تک رحمۃ للعالمین کی رحمت تاریخی طور سے بیان کیگئی ہے لیکن ضرورت ہے کہ علوم جدیدہ کیساتھ بھی

علوم جدیدہ کیساتھ اسلام کی عموم رحمت

اسلام کی عموم رحمت بیان کر دی جائے زمانہ میں ہر طرف سائنس کی پکار ہے اور یورپ اگرچہ بظاہر کرسچانٹی کا کلمہ پڑھتا ہے لیکن اُسکی تہ الحاد و زندقہ سے پامال ہوچکی ہے حقیقت یہ ہے کہ سائنس اس عموم رحمت کے فیضان سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا کسی مذہب نے سائنس کے ساتھ ایسی ہمدردی ظاہر نہیں کی جس قدر اسلام نے۔ مقتدایان نصرانیت نے تو علم کا چراغ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا تھا صرف امت مرحومہ ہی کی بدولت سائنس دنیا میں زندہ ہوا اسلام ہی وہ مذہب ہے جس کے پیغمبر علیہ السلام نے رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا سے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام اور علم متحد ہیں اور اس احسان سے سائنس کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتا علوم طبیعیہ کی کرشمہ خیز نیرنگی درحقیقت توحید کی صدائے بازگشت ہے۔ یورپ اگر علوم طبیعیہ کے اِس زور سے اللہ جل جلالہٗ سے دور ہونا چاہے تو رحمۃ للعالمین کے فیضان رحمت کی بدولت ان کی کششیں ہم کو خدا سے زیادہ قریب بناتی ہے مسئلہ ارتقائے نیچی

دراصل توحید کی سیڑھی ہے۔ اسباب وعلل کے گرداب بلا میں پھنسنے سے ہی اس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ انسان اس حکمت حقہ کے خضر طریقت کا سہارا لے اور جوں جوں انسان اپنے تراشیدہ فلسفہ سے اللہ سے دور ہونا چاہیگا۔ اس قدر سچا علم اس کو اللہ سے قریب بناتا جائیگا۔ الاسلام یشھد لہ العلم والعلم یشھد لہ الاسلام۔ پس جبکہ ہم مسلمانوں کو رحمۃ للعلمین کی بدولت ایسی سراسر رحمت کے امتی ہونے کا شرف حاصل ہے تو جس قدر ہم اس کا شکر ادا کریں تھوڑا ہے۔ اور بقول حضرت سعدیؒ پورا شکر تو محال ہے لیکن جو شکر ہم سے ہو سکتا ہے وہ کبھی ہم سے چھوٹنا نہ چاہیئے ہمارا شکر اسی وقت ادا ہو سکتا ہے جبکہ ہم مقتضائے الدین النصیحۃ (مذہب خیر طلبی ہے) اپنے اس فرض تبلیغ کو ادا کریں اور جس رحمت میں ہیں دوسروں کو اس سے بہرہ اندوز کریں یہ شکر ضروری ہے جس کے بغیر ہم خدا کے روبرو جواب دہ رہیں گے اگر ہمارے اسلاف کی کوششوں سے اس قدر تبلیغ ہوئی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اس میدان میں اسی طرح دوڑتے چلے جائیں جب ہمارے اسلاف نے ایسے زمانہ میں جب کہ ریل تھی نہ چھاپا اپنے فرض تبلیغ کو ایسی ایسی مصیبتوں کے ساتھ ادا کیا جس کا ہم خیال بھی نہیں کر سکتے تو کیا ایسے زمانہ میں جب کہ علوم کے تحقیقات کا دائرہ اس قدر وسیع ہو گیا ہے جبکہ سفر اسقدر آسان ہو گیا ہے جبکہ چھاپے نے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے جس کا اگلے زمانہ میں وہم وگمان بھی نہ تھا تو کیا ہمارا اتنا بھی فرض نہ ہوگا کہ اپنے اسلاف کے نتائج تحقیقات علمی کو موجودہ زبانوں میں شایع کریں

کیا یورپ کے روبرو خود اسی کی اس تحقیقات کو پیش کرنا کہ تثلیث
حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہے اور یورپ کی موجودہ اصلاح
بلکہ تمام مذاہب زمزمہ توحید سے معمور ہیں ہمارا فرض نہیں ہے؟
کیا ہمارا فرض نہیں ہے کہ جس ملک میں ہم بستے ہیں خود اس
کی مختلف زبانوں میں اِس حقیقت کو شایع کریں کہ وید میں بھی
توحید کا نعرہ ہے اگر ہم اِس فرض کو ادا نہ کرینگے تو ہم
حضور رحمۃ للعالمین کے روبرو شرمندہ ہونگے اور اگر ادا
کرینگے تو ہم کو اس کا فخر حاصل ہوگا کہ ہم ان داعیوں میں سے
ہونگے جن کی بدولت ان کا جو وعدہ ہے پورا ہوگا کہ "ایک
زمانہ آئیگا جب کہ تمام دنیا میں ہر طرف لا اِلٰہ اِلا اللہ"
کی صدا گونجتی ہوگی اور ایک وہ دن بھی آئیگا جب کہ
اس کے میلاد کی خوشی میں تمام دنیا ہماری رفیق ہوگی
ھو الذی ارسل بالھدیٰ ودین الحق لِیظھرہٗ علی
الدین کلہ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کتب خانہ
کلیۂ جامعۂ عثمانیہ

کتب خانہ

سلسلہ تالیفات انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن

نشان (۷)

حضرت سید عبدالقادر ناگور

(علاقہ مدراس)

مولفہ

مولوی فاضل منشی عالم محمد مرتضیٰ صاحب معتمد انجمن طلبہ قدیم
مولفہ میلاد خاتم النبیین علیہ السلام روح ترقی تاریخ دارالعلوم
تاریخ التاریخ وغیرہ

مطبوعہ مطبع فیض الکریم واقع دارالشفا حیدرآباد دکن

تالیفات انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن

سوانح مصطفوی معہ نظم دربار رسالت صلعم مولفہ حافظ محمد مظفر صاحب و مولوی سید رضی الدین صاحب کیفی حجم ۱۵۱ صفحہ قیمت ۲

اخلاق رسالت پناہی صلعم مولفہ حافظ محمد مظفر صاحب حجم ۲۶ صفحہ قیمت ۲

میلاد خاتم النبیین علیہ السلام ہیں کے متعلق اخبار ہمدم لکھنؤ رقم طراز ہے کہ "انجمن طلبائے قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن نے جو مفید تالیفات شائع کی ہیں ان کے سلسلہ میں یہ ایک جزو کا رسالہ خود انجمن کے فاضل معتمد مولوی محمد مرتضی صاحب کا لکھا ہوا ہے جسمیں ان عظیم الشان برکات کا حوالہ دیا گیا ہے جو حضور سرور کائنات صلعم کی ذات قدسی صفات سے دنیا اور خصوصاً آپ کے وطن اہل عرب پر نازل ہوئیں۔ آج برطانوی مدبرین اپنی نا عاقبت اندیشی سے یہودیوں کی مخذول و منکوب قوم کو عروج دینا اور فلسطین میں با اقتدار حیثیت سے دوبارہ آباد کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہودیوں کو گزشتہ تیرہ صدی کے اندر عیسائیوں کی خونخوار دستبرد سے صرف اسلامی ممالک میں زیر سایہ خلافت پناہ ملی ہے۔ اور خود عیسائیوں کے لئے مذہبی فرقوں کی ہستی صرف خلافت کے دامن میں پناہ گزین ہونے سے قائم رہی مولوی مرتضی صاحب نے اپنے رسالہ میں ان تاریخی واقعات کا ذکر کیا ہے اور ہندوؤں بدھوں اور دیگر مذاہب و اقوام کے لوگوں کو اسلام کی بدولت جو فیض پہنچا اور علوم جدیدہ کی مسلمانوں کے ہاتھوں جو خدمت ادا ہوئی انکا حوالہ دیکر معترضین کا منہ بند کیا ہے" حجم ۲۶ صفحہ قیمت ۱ر

بزم انجم مولفہ مولوی فاضل محمد عبد الرب صاحب کوکب مدیر رسالہ اتالیق حسن جس میں عام فہم زبان میں سورج چاند سیارات اور ثوابت کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ حجم (۴۰) صفحہ قیمت ۴ر

تذکرہ ملا عبد القیوم صاحب مرحوم [illegible] کے حالات کو مختلف مضامین نظم و نثر جمع کئے گئے ہیں حجم (۴۸) صفحہ قیمت ۴ر

ہلال عید۔ عید الضحی کے متعلق مضامین نظم و نثر درج ہیں حیدرآبادی کاغذ پر طبع ہوئی ہے حجم (۲۴) صفحہ قیمت ۱ر فلکیات سیارہ

تاریخ دارالعلوم۔ مضمون نام سے ظاہر ہے حجم (۱۴۰) قیمت ۲ر

ملنے کا پتہ
۱. محمد عبد السلام شریک معتمد انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم مخدوم پورہ گلبرگہ (دکن)
۲. بہار الدین صاحب۔ باغ دیوان صاحب راتی پیٹ مدراس۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت سید عبد القادر ولی ناگور

ماخوذ از رسالہ صحیفہ ماہواری

بابتہ آذر سنہ ۱۳۲۰ف

اگرچہ باشندگان حیدرآباد میں ان بزرگ کا نام اس قدر مشہور نہیں ہے جس قدر جنوبی ہندوستان میں لیکن یہاں بھی ناگور کی زیارت کو جانیوالے کچھ کم نہ ملینگے۔ اور جنوبی ہند میں تو ناگور اسی طرح زیارت گاہ خلایق ہے جس طرح اجمیر شمالی ہند میں۔ ایسے نامور ولی کے حالات مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ میں لکھے جائیں جو آج کل تاریخی رنگ قرار پایا ہے۔

سواحل ہند کی تاریخ قلمبند کرتے ہوئے میں نے امرداد سنہ ۱۳۱۶ف کے پرچہ میں اسقدر مختصر حاشیہ لکھا تھا "بلاشبہ ان کو بھی داعیان اسلام کی فہرست میں ممتاز مرتبہ حاصل ہے حضرت موصوف کا تذکرہ طبع ہوگیا ہے لیکن مجھے اس کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا" اس حاشیہ کے لکھنے کے بعد مجھے اس تذکرہ کے دیکھنے کا موقع ملا جس کا نام کرامات قادریہ ہے اور جس کو محمد نجیب نامی ایک خوش عقیدہ شاعر نے فارسی نظم میں لکھا ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۲۶۱ھ میں مدراس میں طبع ہوئی ہے اگرچہ مولف نے اپنی کتاب کا ماخذ مطلق بیان نہیں کیا لیکن چونکہ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اس نے عام مشہور روایتوں پر ہی اپنی نظم کی بنا رکھی ہوگی اس لئے اس کتاب کے واقعات غیر معتبر نہیں قرار پا سکتے میں نے سنا ہے کہ حضرت موصوف کے تذکرہ کی اور بھی بسیط کتابیں عربی میں ہی طبع ہوئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھے ان کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ اس لئے بالفعل ہم "کرامات قادریہ" کو ہی اپنا ماخذ قرار دیکر ضروری اور دلچسپ واقعات اردو میں قلمبند کرینگے۔

حضرت موصوف کی پیدائش کا فخر خاک ہند کو ہی حاصل ہے۔ آپ کا وطن مانک پور تھا۔ سلسلہ نسب یہ ہے سید عبد القادر بن حسن۔ قدوس بن بہا سید موسیٰ بن

بن سید محمد بغدادی بن سید حسن بغدادی بن محمد ظہور بن سید احمد بن سید ابی نصر محی الدین بن سید شاہ جمال الدین۔ سید صالح نصر بن سید عبد الرزاق بن حضرت سید شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی قدس اسرارہم۔ والدہ کا نام فاطمہؓ تھا اور ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے فاطمہؓ بنت سید حمید مانکپوری بن سید فخر الدین بن سید عبد الرزاق بن سید فیض اللہ۔ بن سید عبد اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید جمال الدین بن سید محمد بغدادی اس کے بعد کا سلسلہ نسب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا غرض کہ دونوں طرف سے آپ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والدین خود ایک خدا پرست اور صوفی مشرب تھے۔ آپ کی والدہ نہایت پاک باطن اور بہت ہی بلند مرتبہ تھیں۔ اور اس خاندانی گھریلو خدا پرستی اور پاک باطنی کا اثر تھا جس نے حضرت عبد القادر ولی ناگور کو اپنی زندگی کیطرح اس میدان طریقت میں بسر کرنے کی راہ بتائی بچپن کے حالات زیادہ تر معلوم نہیں ہوتے لیکن ظاہر ہے کہ ماں باپ کی مبارک تربیت نے ابتدا سے ہی صحیح راستہ پر ڈال دیا ہوگا۔ ۱۷ برس کی عمر میں حق شناسی کے جوش نے وطن (مانک پور) سے قدم باہر نکالنے کی راہ بتائی۔ اور کشش شوق نے حضرت سید محمد غوث گوالیاری کی خدمت میں گوالیار پہونچایا۔ جن کے تصرفات باطنی نے ہندوستان کے صوفیۂ کرام کی تاریخ کا ایک نیا ورق الٹ دیا ہے اور جن کے متعلق تاریخ ایک غیر معمولی شان پر روشنی ڈالتی ہے۔ کم سن مرید نے وہ تمام ریاضتیں اداکرنی شروع کیں جو اس امتحان کے کورس میں مقرر تھیں دس برس اس مدرسۂ طریقت کی تعلیم میں بسر ہوئے جس کے بعد گویا آپ فارغ التحصیل اور امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ اور دوسرے الفاظ میں آپ کو اپنے مرشد کی خلافت عطا ہوئی اور حج کو جانے سے پہلے گوالیار سے آپ اپنے وطن مانک پور میں اپنی والدہ کے پاس حاضر ہوئے اور وداعی ملاقات کے بعد چارسو آدمی کے قافلہ کے ساتھ بارادہ حج روانہ ہوکر پہلے لاہور آئے۔ لاہور سے آگے بڑھنے پر آپ کی زندگی بحیثیت داعی اسلام نظر آتی ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ راستہ میں ایک پہاڑی آبادی میں جس پر ہندو جوگی اپنے جوگ میں مصروف تھے۔ جوگ اور طریقت باطنی کا مقابلہ ہوا جس میں آخر اسلام کی طریقت باطنی نے فتح پائی اور جوگیوں نے اسلام میں داخل ہوکر مسلمانوں کی تعداد میں افزایش کی۔ شاعر کے الفاظ یہہ ہیں۔

ز فرمان خسرو نہ پیچیدہ سر — کشودند از بت پرستی کمر
پس آنگاہ سلطان والا جناب — رہانید شاں را ز بند عذاب
بہ رسم دیں شاہ آموختشاں — بنور یقین جان برافروختشاں

حج کے پہلے اس مرد میدان طریقت نے جو جو مرحلے طے کئے افسوس ہے کہ اس کا صحیح روزنامچہ معلوم نہیں ہوتا لیکن اسقدر ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ راستہ بھر اشاعت اسلام کی کوشش جاری رہی۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ایک پہاڑ میں انہوں نے چلہ پورا کیا اور پھر وہاں سے دوسرے پہاڑ کی طرف گئے۔ ایک عرصہ تک دشت نوردی رہی اور اسلام کا اثر پھیلانے کی کوشش کی غرض رفتہ رفتہ ساحل ہند کے اس مقام پر پہنچے جہاں سے اس زمانہ میں جہاز عرب کو جایا کرتے تھے حج و زیارت سے مشرف ہونے کے بعد عراق و خراسان کی راہ لی۔ اور وہاں سے بیت المقدس ہوتے ہوئے پھر مکۂ معظمہ میں آئے۔

حج ثانی کے بعد ہندوستان کا قصد کیا۔ اور مالدیپ میں آئے وہاں اشاعت اسلام میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ بعد ازاں سراندیپ کا رخ کیا۔ وہاں سے جنوبی ہند کی جانب روانہ ہوئے۔

ترچناپلی میں جو جنوبی ہند میں ہندوؤں کا بڑا نامور شہر تھا۔ نتھر اولیا (طبل عالم لقب) کی قبر کی زیارت کی (یہ سید عبد القادر ولی سے پیشتر کے بہت بڑے مشہور بزرگ گزرے ہیں)۔ افسوس ہے کہ ان کے حالات بالکل تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کا صحیح نام بھی معلوم نہیں ہوتا کہ کیا ہے یہاں سے تنجاور پہنچے جو ہندوؤں کا دار الحکومت تھا۔ تنجاور کا راجہ جو بیمار رہتا تھا حضرت موصوف کی دعا کی برکت سے اچھا ہوا اور ان کا معتقد ہو گیا (یہ واقعہ خلاف قیاس نہیں ہے ہندو راجہ عموماً مسلمانوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتے اور ان کو قابل عزت سمجھتے تھے جیسا کہ ہم نے مختلف تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے) اس کے بعد حضرت موصوف نے کل اضلاع تنجاور کا دورہ کیا۔ ترولور سے ترام پہونچے۔ اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ ترام سے ترکلاچیری میں مقام ہوا۔ اس قدر طویل سیاحت کے بعد اب وہ ناگور پہونچے جو ساحل سمندر پر آباد اور تجارتی حیثیت سے نہایت بارونق تھا۔

ساحلی شہروں پر اسلامی نوآبادیاں (جیسا کہ ہم نے صحیفہ میں لکھا ہے) قدیم سے قائم تھیں اس لئے یہ صحیح طور پر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اپنی آئندہ زندگی کے لئے اسی اسلامی تجارتی مرکز کو انہوں نے باغراض اشاعت اسلام ہیڈ کوارٹر بنانا موزوں خیال کیا راجہ تجاور نے بھی اس کی اجازت دیدی۔ اور اس طرح اپنے اسلامی فرائض دعوت کو ادا کرنا اپنا لازمہ زندگی قرار دے دیا یا خاص زبان میں یوں کہو کہ وہ درجۂ قطبیت پر پہونچ گئے۔ ناگور کا اسلامی تجارت گاہ ہونا اس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ حضرت موصوف نے اپنے رفیق یوسف کی وہیں کے ایک تاجر عرب کی لڑکی سے شادی کی۔

بگفتند ایں خانۂ تاجر است — خداوند اسباب و سیم و زر است
زبہر تجارت بہارش بسے — ہم از مال او سود دہند کسے
وطن گاہ او بود اول یمن — و لے ساخت اکنوں درینجا وطن
بود سید پاک و مخدوم نام — دو دختر بدو ہست خورشید فام

ناگور سے ایک دفعہ وہ فناسر بھی گئے اور یہاں بہت بڑی کامیابی ہوئی۔ خود حاکم شہر مسلمان ہوگیا اور باشندگان شہر نے بھی اسلام قبول کیا۔

شتابی سپہدار (بادشاہ ۱۲) مومن شدہ — مطیع خدائے مہیمن شدہ
وزاں باشندگان کشور تمام — مسلمان شدہ جملہ از خاص عام
ہمہ سرور ملک سرمد شدند — پذیرائے دین محمد شدند
بہر مسجدے وعظ می کرد شاہ (ولی ناگور) — بداں گمرہاں می نمائید راہ

غرض اس طرح اسلام کی بنیادیں جنوبی ہند کی سرزمین میں مضبوط و مستحکم کرتے ہوئے ۱۰ جمادی الآخر ۹۷۰ھ ہجری کو ۶۸ سال کی عمر میں ناگور میں ہی انتقال کیا اور وہیں پیوند زمیں ہوئے۔ جہاں اب تک ان کی قبر زیارت گاہ عام و خاص ہے۔

کرامات قادریہ کے ۲۰۲ صفحوں میں سے یہ تین چار صفحے ہم کو خالص تاریخی بدست ہو سکے جو اگرچہ اب بھی ناقص ہیں اور پورے طور پر کافی نہیں سمجھے جا سکتے لیکن تاریخ پسندوں کے پاس یہ چند صفحے بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

حضرت سید عبدالقادر ولی ناگور کے تذکرہ میں جو امر قابل ذکر ہے وہ یہی

ہے کہ دیگر اولیاء کرام کی طرح انہوں نے بھی اپنی زندگی محض خدمت اسلام کے لئے نذر کردی تھی۔ درحقیقت اس سے زیادہ کیا مذہبی خدمت بے ریا خالصاً و مخلصاً تصور میں آسکتی ہے کہ ایک ستّرہ سالہ لڑکا اپنے وطن سے تلاش طریقت میں نکلتا ہے۔ دس سال ریاضت میں بسر کرتا ہے اور اس کے بعد اپنی تمام جوانی کی امنگیں اس مقدس جذبہ محبت مذہب پر قربان کردیتا ہے جس سے زیادہ بظاہر کوئی خشک و بے مزہ زندگی نہیں ہوسکتی اس سے دل میں حب دنیا کا خیال لحظہ بھر کے لئے بھی راہ نہیں پاتا اور آخر کار اس کی زندگی اسلام اور خدائے ذوالجلال کی محبت دونوں گویا مرادف چیزیں بن جاتی ہیں۔ اس خالص جذبۂ تاثیر سے وہ سیکڑوں اور ہزاروں دلوں میں اپنی سچائی اور پاک باطنی کا اثر ڈال کر خدا پرستی کی روح پھونکتا ہے اور اسی طرح جب وہ عجیب و غریب بوقلموں پر از جذبات انسان دنیا کو چھوڑتا ہے تو اپنے کاموں کا اثر اپنی زندگی سے زیادہ مستحکم چھوڑ جاتا ہے۔ اور اس طرح اس کی نسبت یہ کہنا درست ہوتا ہے **هم جمال ذي الارض في الحيوة وبعد الممات** مگر یہ بھی قدرت کا عجیب قاعدہ ہے کہ جوں جوں دن زیادہ گزرتے جاتے ہیں لوگ ان کے اس اصلی کارنامہ اور باعث عزت طرز زندگی کو بھول کر ان کو محض ایک برتر از عادت ہستی سمجھنے لگتے اور اسی پر اپنی کوشش کا دار و مدار رکھتے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ در اصل کس چیز نے ان کی زندگی کو برتر از عادت ہستی بنا دیا! وہ نہیں سمجھتے کہ جس محنت۔ نفس کشی۔ ایثار علی النفس کے سخت ترین مصائب انہوں نے محض سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی کی خاطر برداشت کیں ان کی اقتدائی ان کی مابعد نسلیں اگر کرسکتی ہیں تو محض اسی طریقہ سے کہ ان کے نمونہ پر اپنی زندگی بھی اسی سچائی۔ حق شناسی۔ خدا پرستی سے بسر کرنے کی کوشش کریں ان کی روحیں کبھی اس امر سے خوش نہیں ہوسکتیں کہ انکی قبر کو سجدہ گاہ بنالیا جائے ہر قوم کی سیکڑوں زیارت گاہوں کے ہزاروں زائرین میں سے اگر چند افراد بھی اس حقیقت کو سمجھنے لگیں تو دنیا کی یہ رفتار ہی نہ رہے۔

حضرت شیخ خوجہ علاءالدین چشتی

حضرت خواجہ علاءالدین بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ تحفہ شاہ الحسینی الچشتی البلخی مرید سید بہاءالدین شمس العشاق یہ بھی جنوبی ہند کے ایک مشہور ولی گزرے ہیں سکلم کوٹا میں مدفون ہیں۔ ان کا سنہ وفات سنہ ۹۶۳ ہجری ہے ان کے حالات بھی ایک عربی قلمی رسالہ میں لکھے ہوئے میری نظر سے گزرے ہیں جو امران کے حالات میں قابل تذکرہ ہے اور جس کے لئے میں نے یہ مختصر نوٹ لکھا ہے یہ ہے کہ راجہ تنجاور ان کا بھی معتقد تھا اس نے ان کا گنبد اور گنبد کے پاس مسجد تعمیر کرائی۔ اور ان کے مرید سید اسمٰعیل کو قریہ سکلم کوٹا بطور جاگیر عطا کیا اس سے شہادت ملتی ہے کہ راجہ تنجاور حضرت عبدالقادر ولی ناگور کے ساتھ ضرور اعتقاد رکھتا تھا۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عموماً داعیان اسلام کی روش کیسی پسندیدہ اور باامن طریقہ اور سلامت روی کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ اور اسی کا اثر ہے کہ اب بھی مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی کافی تعداد بھی جنوبی ہند کے مسلمان ولیوں کے زائرین و معتقدین کے زمرہ میں شامل نظر آتی ہے۔

تاریخ طبع ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۴۰ھ

سلسلۂ تالیفات انجمن طلبائے قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن

نشان (۸)

مولوی محمد باقر آگاہ

مولفہ

مولوی فاضل محمد مرتضی صاحب مجلس رفقاء جامعہ عثمانیہ صدر مجلس
انتخاب کتب و ذیلی مجلس دینیات انتخاب کتب و مجلس وظائف مدارس
سرکار عالی

مطبوعہ مطبع فیض الکریم واقع چھتہ بازار حیدرآباد دکن

طبع اول (۵۰۰)

تنقیح

تذکرۂ ملا عبد القیوم صاحب مرحوم

اخبار ہمدم لکھنؤ مورخہ ۱۷ جولائی سنہ ۱۹۲۱ء رقم طراز ہے کہ ملا عبد القیوم صاحب ڈپٹی کمشنر انعام و اول تعلقدار ریاست حیدر آباد دکن کے یہ مختصر
حالات زندگی انجمن طلبہ قدیم دار العلوم دکن کے سلسلۂ تالیفات میں چند سال قبل شائع ہوئے ہیں اور عموماً مسلمانان ہند اور خصوصاً
ارباب دکن کی لاپروائی اور بے حسی کا یہ ایک ناگوار ثبوت ہے کہ اب تک اسی پہلی ایڈیشن کی کچھ جلدیں بغرض فروخت موجود ہیں حالانکہ
ملا عبد القیوم صاحب کی ذات اہل دکن و طبقہ علمائے ہند کیلئے پایۂ ناز تھی اور فراہمی چندۂ حجاز ریلوے و مساعی و آسائش حجاج
میں قوم کی جو قیمتی خدمات انہوں نے ادا کیں اور دکن میں تعلیم کی عام اشاعت کیلئے سرکاری و پرائیویٹ حلقوں سے جس طرح
آخری وقت تک جد و جہد جاری رکھی ان کا اقتضا یہ تھا کہ ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو ملا صاحب جیسے محسن قوم کے حالات زندگی کی ترغیب
کی ترغیب ہوتی اور ان کے بقائے نام کیلئے سرزمین دکن میں ان کی کوئی مفید عام یادگار قائم کی جاتی ایڈیٹر ہمدم کو ذاتی
طور پر ملا صاحب مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا تھا اور طرز قدیم کے ایک عالم دینیات کی حیثیت سے ان کی روشن
خیالی و بیدار مغزی کا اس کے قلب پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ آج ہمارے دینی پیشوا بھی دنیائے اسلام کی شدید مصیبت اور زوال
اقتدار خلافت سے متاثر ہوئے ہیں اور ان میں سے بعض قابل اور آزاد خیال حضرت سیاسی لیڈران کے دوش بدوش
جد و جہد کر کے مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض سے آگاہ کر رہے ہیں مگر آج سے چند سال قبل تک اس محترم طبقہ کی طرف
سے تعلیم جدید کے راستہ میں طرح طرح کی مشکلات پیدا کی جاتی تھیں اور سیاسیات بالکل اجنبی و ممنوع چیز سمجھا جاتا تھا
تاہم اس جماعت کے ایک فرد ملا عبد القیوم صاحب مرحوم بھی تھے جنہوں نے اپنی معاملہ فہمی و دور اندیشی سے اپنے زمانہ میں اہل
یورپ کی چالوں کو تاڑ لیا تھا اور سر چشمۂ اسلام کو ان کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کیلئے سرزمین حجاز پر ترکوں کا اقتدار
مضبوط کرنا ضروری سمجھا تھا اس پہلو کے نیز حاجیوں کی حفاظت و آسائش کے خیال سے حجاز ریلوے کے لئے ہندوستان سے
لاکھوں کا چندہ جمع کر کے بھیجا تھا۔ ایک ہندوستانی ریاست کے بڑے عہدہ دار کی طرف سے تعمیر حجاز ریلوے کی اعانت
میں جس سرگرمی کو برطانوی مدبرین بالکل سیاسی رنگ میں دیکھتے تھے یہ غیر معمولی جد و جہد (کیونکہ ملا صاحب نے اس وقت
اپنے فرائض عہدہ کو ملتوی کر دیا تھا اور بعد ازاں سروس سے رخصت حاصل کر کے تمام حصص ملک کا دورہ کیا تھا) یقیناً
بڑی ہمت و جرات پر مبنی تھی کیونکہ برٹش انڈیا میں ملا صاحب کی نقل و حرکت پر خاص نظر رکھی جاتی تھی اور مسلمانان ہند
کو چندۂ حجاز ریلوے میں شرکت کی ترغیب دینے کے لئے انہوں نے جو رسالہ خود لکھ کر شائع کرایا تھا اس
کی نسبت بعض حکام انگریزی کی طرف سے کھلم کھلا بدگمانی کا اظہار کیا جاتا تھا۔ مگر ملا صاحب کو ان باتوں کی پرواہ نہ تھی
انہوں نے پھر بھی چندہ کے بارہ میں اپنی کوششیں اسی سرگرمی سے جاری رکھیں اور اس کے بعد جب
حاجیوں پر قرنطینہ وغیرہ کی قیود اور سخت کیجانے لگیں تو ملا صاحب شاید حیدر آباد کے اجلاس کانگرس
میں شریک ہوئے اور حاجیوں پر جدید پابندیاں کرنے کے برخلاف انہوں نے خود ایک زبردست احتجاجی ریزو
لیوشن کی پر زور تحریک کر کے اس کو پاس کرایا ملا عبد القیوم صاحب کا دل قوم کے درد سے لبریز تھا
اور مشرقی ممالک میں یورپین طاقتوں کے بیہم دستبرد کو وہ کمال رنج و غصہ کی نظر سے دیکھتے اس کو
زوال اقتدار اسلام کوششوں سے تعبیر کرتے اس کی روک و تھام ہر مسلمان پر لازمی سمجھتے تھے تو تحریک خلافت
میں یقیناً بڑی سرگرمی و جانفشانی سے حصہ لیتے اور اپنا تمام وقت اس کام کے لئے وقف کر دیتے مذکورہ عنوان
رسالہ میں ملا صاحب کی زندگی کے بعض اہم واقعات پر سرسری نظر ڈالی گئی ہے اور چند تعزیتی مضمون
اور قطعات تاریخ وفات بھی اس میں اخبارات سے نقل کئے گئے ہیں ایک خط جناب مولانا حالی مرحوم کا
ہے جس میں ملا صاحب کے اخلاق حسنہ و اوصاف دینی و دماغ کا اعتراف کیا گیا ہے۔ رسالہ ایک
ٹکٹ کے تین حصہ پر چھپا ہے۔ اور مولوی عبد السلام صاحب شریک معتمد انجمن طلبہ قدیم دار العلوم
مخدوم پورہ گلبرگہ دکن کے پتہ پر خط لکھ کر ان کو منگایا جا سکتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولوی محمد باقر آگاہ

منقول از رسالہ صحیفہ ماہواری بابتہ فروردی وارد بہشت سنہ ۱۳۱۹ف

مولوی محمد باقر آگاہ خطۂ مدراس کے ایک مشہور و معروف نامور استاد گزرے ہین اور عربی اور اردو لیٹریچر کے جو نمایان خدمات انہون نے انجام دے ہین ان کی وجہ سے ضرورت ہے کہ ان کا مختصر تذکرہ صحیفہ کے ذریعہ سے اردو کی لٹریری دنیا مین پیش کیا جائے جس کا اغلب حصہ افسوس ہے کہ ان کے نام نامی سے بھی واقف نہین۔

مولوی محمد باقر آگاہ اسی قوم نوایتہ کے ایک شریف و معزز گھرانہ سے ہین جنھون نے براہ راست عرب سے سواحل ہندوستان آکر اسلام کی روشنی پھیلانے مین حصہ لیا ہے (جس کی تاریخ پہلے پہل صحیفہ کے ذریعہ سے لٹریری دنیا مین پیش کی گئی ہے)[1] ان کے باپ کا نام محمد مرتضی تھا اور مذہباً شافعی تھے۔ خاندان کا وطن پہلے تو بیجاپور تھا۔ لیکن بیجاپور کی تباہی کے بعد خطہ مدراس مین اقامت کی۔ آگاہ کی پیدائش بمقام ویلور سنہ ۱۱۵۸ھ مین ہوئی اور یہین ان کا نشو نما ہوا۔ سات برس کی عمر مین قرآن مجید ختم کیا۔ فارسی کی متداول کتابین تحفۃ العراقین تک اپنے چچا کے پاس پڑھین۔ سکندر نامہ کا دیباچہ اور عنوان قران السعدین سید شاہ ابوالحسن قربی[2] قدس اللہ سرہ سے پڑھا۔ اس کے بعد طالب العلمی کے شوق مین ترچناپلی چلے آئے

---

[1] مولوی محمد باقر آگاہ کے حالات زندگی تذکرۂ گلزار اعظم سے اخذ کئے گئے ہین جو ترتیب شیرین سخن خان راقم و بنام نواب غلام غوث خان مرحوم آخری نواب کرناٹک سنہ ۱۲۷۲ھ مین مدراس مین طبع ہوا ہے۔

[2] سید شاہ ابوالحسن بن شاہ عبداللطیف قربی بھی خطۂ مدراس کی ایک مشہور بزرگ گزرے ہین سنہ ۱۱۱۳ھ مین بمقام بیجاپور پیدا ہوئے پھر ارکاٹ مین جو اس وقت دارالحکومت صوبہ مدراس تھا چلے آئے آخر ویلور مین جا کر مقیم ہو گئے جو ارکاٹ کے قریب واقع ہے۔ ۱۲

ارکاٹ کے بعد صوبہ مدراس کا دارالحکومتہ بنا تھا اور مولوی ولی اللہ کی خدمت میں
صباح قریب دو ثلث اور ضوء ایک جزء کے قریب پڑھی۔ یہ اس زمانہ میں متوسط درجہ
تعلیم کا نصاب تھا۔ اس کے بعد سبق پڑھنا موقوف کرکے ذاتی مطالعہ جاری رکھا
پندرہ سال کی عمر میں نظم و نثر کا شوق پیدا ہوا اور ۱۷ سال کی عمر میں قربی کی مدح میں
ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے۔

آفتاب اوج وحدت ماہتاب برج دین   کاشف اسرار قربت صاحب عین الیقین

یہ قصیدہ ایک عریضہ کیساتھ جناب قربی کی خدمت میں بھیجا جس کے جواب میں قربی
نے لکھا "قصیدہ غرا کہ در مدح این فقیر حقیر بود رسید معائنش دیدہ دعاء اللہم زد فزد
کردہ آمد باین قدر علم چنین فکر صائب بظہور آمد چون زیادت علم شود فکر کارہا خواہد
کرد کہ سزاوار آفرین تام و تحسین تمام خواہد بود بعضے محال اصلاح طلب است اگر
در حضور می بودند ظاہر کردہ می شدہ والسلام" ۱۹ سال کی عمر میں قربی کی خدمت میں
ویلور واپس گئے اور بیعت طریقت کی۔

غرض آگاہ کو ایک ایسا استاد مل گیا جو ظاہر و باطن دونوں راستوں میں ان کا پورا
راہ نما بنا۔ فیض باطن کے ساتھ ظاہری اصلاح کلام بھی ان سے لی چنانچہ خود
اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

بود ہر بیت من آئینہ وار دیدہ آگاہ   کہ بر وجہ حسن کسب سخن از بوالحسن کردم

اس ابتدائی دور میں نعت و منقبت میں بہت سے قصیدے۔ غزلیں۔ مثنویاں بغیر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳ فارسی کتابیں محمد حسین بیجاپوری سے اور تصوف کی کتابیں (مثل مخزن الاسرار و مثنوی) شاہ الف محمد فخر الدین (نوایتہ) کے پاس اور عربی صرف نحو محمد ساقی سے حاصل کیا۔ اور کثرت مطالعہ سے بہت جلد تصوف کے اعلیٰ ذخیرہ مثل فتوح الغیب و فتوحات مکیہ و فصوص الحکم پر قادر ہو گئے۔ عربی نثر نہایت فصیح و بلیغ لکھتے تھے۔ مولوی محمد باقر آگاہ نے اپنے استاد کا تذکرہ ایک خاص رسالہ تحفۃ الحسن فی مناقب السید ابی الحسن میں لکھا ہے۔ سنہ ۱۱۸۱ھ میں بمقام ویلور انتقال ہوا اور وہیں انکا مزار ہے۔ تذکرہ گلزار اعظم ۱۲

کسی تخلص کے کہی تعین لیکن استاد و مرشد کے انتقال کے ساتھ جبکہ آگاہ کی عمر ۴۳ سال تھی شعر کہنا ترک اور تمام کلام پانی مین ڈبو دیا۔

اب یہ پھر ترچناپلی مین واپس چلے آئے اُس وقت اس نوجوان استاد کا شہرہ بلند ہوچکا تھا نواب والاجاہ مرحوم نواب کرناٹک نے (جن کی علمی قدر شناسی یادگار زمانہ رہیگی اور جس کا ایک قوی ثبوت بحر العلوم جیسے خاتم الحکما کے پیوند زمین مدراس ہونے سے مل سکتا ہے جن کی نہایت تعظیم نواب والاجاہ نے کی تھی) نہایت تعظیم کے ساتھ آگاہ کی ملاقات کی اور بماہوار ۱۰۰ روپیہ اپنے بڑے فرزند امیر الامرا مرحوم ولیعہد ریاست کا اتالیق مقرر کیا اور چند روز کے بعد جاگیر التور محاصلی ایکہزار دوسو روپیہ عطا کی۔ امیر الامرا کی رفاقت ہی مین آگاہ مدراس آئے۔ اور جبکہ آخر مدراس دار الحکومۃ قرار پایا تو انہون نے بھی مدراس کو اپنا وطن بنالیا۔

اب جذبہ شوق نے پھر شعر و سخن پر اُبھارا۔ آگا تخلص قرار پایا اور اپنی زندگی علم کی خدمت کے لیئے وقف کردی سیکڑون طلبہ کو علم کی راہ بتلائی اور اس سے زیادہ باقیات الصالحات اپنی تصانیف سے دائمی یادگار مین چھوڑی ہے جس کا تذکرہ آیندہ ہوتا ہے۔

۴ ذی حجہ سنہ ۱۲۲۰ھ کو ۷۶ سال کی عمر مین انتقال کیا اور راستہ میلاپور مین اپنی عملوکہ زمین مین دفن ہوئے۔ جناب مولوی محمد غوث شرف الملک مدار المہام ریاست کرناٹک نے "**قدمات فر والعصر**" مادۂ تاریخ کہا ہے جو یادگار رہیگا۔

علمی خدمات

پایۂ علمی جو تعلیمی حالات اوپر بیان کیئے گئے ہین اُس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ دکن کے عام تعلیمی کورس مین بہ نسبت معقولات کے ادب کا پایہ بلند تھا اسی لحاظ سے آگاہ کے علم و فضل مین بھی ادبی پایہ بلند نظر آتا ہے۔

قرآن مجید کے لسان عرب مین رہنے کی بدولت عربی ذوق مسلمانون کی

ہر قوم وملک میں کم و بیش رہا ہے جس کے بغیر اسلام تازہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگرچہ فارسی کی تازگی نے ہندوستان میں اس عربی ذوق میں کمی پیدا کر دی تھی لیکن مذہبی حمیت عربی لیٹریچر میں کمال پیدا کرنے کی محرک ہوتی رہتی تھی۔ قربلی کے فیض صحبت اور ذاتی مطالعہ نے اس میں پوری ترقی کا موقع دیا۔ اور اس کمال ادبی نے علوم دینی میں بھی تبحر پیدا کر دیا۔

آگاہ کے عربی پایہ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت خطہ مدراس میں عربی کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے اور نواب والاجاہ مرحوم اہل حجاز کے خطوط انہی سے لکھواتے تھے۔ تذکرہ گلزار اعظم میں لکھا ہے" ہر گاہ بار اول نوک زیز جواہر سلکش بنظر فصحاء اندیار سعادت آثار رسید جوابش باہزار آفرین وتحسین درحق آن دبیر بے نظیر بجناب نواب معلی القاب آز اطراف دار دگروید نواب معز الیہ بجائزہ گہوارہ زرین ہمراہ نواب عمدۃ الامرا بہادر ونواب امیر الامرا بہادر فرستاد و بآن ہر دو صاحبزادہ اجازت داد کہ مولوی صاحب رادر ان بنشانند وبحسن ادب بجنبانند آگاہ بعد جد وکد بسیار اقبال صلہ نمود اما در دوے جلوس نفرمود" آگاہ کے عربی ادب کے ذوق نے متعدد عربی ادبی تصانیف سے یادگار چھوڑے ہیں۔ چنانچہ ایک عربی دیوان نعتیہ ہے جس کا نام النفحۃ العنبریۃ فی مدح خیر البریۃ" ہے۔

نثر میں مقامات لکھے ہیں۔ اور حریری کا تتبع کیا ہے۔

ذوق عربی کی کمی نے یاران وطن کو اس قابل نہ رکھا کہ ان کتابوں کو شائع کیا جاتا۔ جس سے عربی ادب کے شائقین کو ایک عربی النسل مدراسی کے نظم ونثر پر تنقید کا موقع ملتا۔

آگاہ کا ادبی ذوق ان تصانیف کے ذریعہ سے اس قدر شائع نہیں ہوا جتنا کہ ان کے ان چار سوا عتراضات سے جو انہوں نے اپنے ہمعصر آزاد بلگرامی کے کلام پر کئے تھے جن کا نام ہندوستان کی لٹریری دنیا میں

مشہور ہے۔ ان دونوں معاصرین کے باہمی ردّ و قدح نے۔ ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی دیگر شعرا کی طرح طرفداروں کے دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک گروہ آگاہ کا طرفدار رہا اور ان کی اعتراضوں کو واجبی سمجھتا تھا۔ دوسرا گروہ ان اعتراضوں کو بیجا اور آزاد کے کلام کے بےعیب اور آگاہ سے ان کے بلند پایہ ہونے کا قائل تھا ایرادات آگاہ کا جواب جو آزاد نے دیا تھا ان کی پسر آگاہ نے تردید کی ہے اور اس طرح ان تحریرات سے بجائے خود ایک تنقیدی لٹریچر پیدا ہو گیا۔

واصف آزاد کے طرفدار ہیں اور اپنے تذکرہ معدن الجواہر میں اس طرح نوٹ کیا تھا "مناظرہ و مباحثہ فضیلت دستگاہ مولوی محمد باقر آگاہ و چہار صد ایراد بر فاضل متبحر آزاد و از نیرنگی روزگار خبر می دہد

حق درانجا بدست حیدر بود   جنگ با وے خطاے منکر بود

پاس ادب رخصت نمی دہد کہ زیادہ ازیں گفتہ شود" اس کے مقابل میں شیریں سخن خان راقم آگاہ کے طرفدار ہیں اور واصف کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔ لیکن اب وہ وقت الٹ گیا۔ طرفداری کے جو وجوہ بوجہ معاصرت وغیرہ ہوتے ہیں سب مٹ گئے اب موقع ہے کہ اہل نظر دونوں کے کلام پر نظر انصاف ڈالیں جہاں تک میں نے ان اعتراضوں پر غور کیا اکثر اعتراض درست پائے جاتے ہیں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ کسی غیر اہل زبان کے کلام میں غلطیوں کی گرفت تو آسان ہے لیکن اپنے کلام کو اہل زبان کے ہمسایہ بنانا بہت دشوار ہے۔ ان اعتراضات سے قطع نظر آزاد و آگاہ دونوں کے کلام کا موازنہ کرکے یہ رائے دینی کہ کس کا کلام درجہ بلاغت سے قریب ہے ؟ اصل قابل غور مسئلہ ہے اور اس کا تصفیہ اس وقت ٹھیک طور سے ہو سکتا ہے جبکہ دونوں کے عربی کلام کے نمونے پیش کرکے ہر ہر پر ریویو کیا جائے لیکن اگر یہ کام شروع کیا جائیگا تو غالباً ناظرین صحیفہ کو دلچسپی نہ ہوگی اس لئے بجز اس کے چارہ نہیں کہ اپنی اصلی رائے

ظاہر کردی جائے جس کے ثبوت مین ذوق نسان کا حوالہ دینے کے سوائے اور کوئی چارہ نہین۔ اس مین شک نہین کہ آزاد پرگو ہین۔ عربی مین ان کے دس دیوان ہین اس کے مقابلہ مین آگاہ عربی مین کم گو ہین۔ آزاد کے کلام مین ایک حد تک سلاست روانی بھی ہے لیکن انصاف تو یہ ہے کہ آگاہ کے کلام مین بلاغت آزاد کے کلام سے بڑھی ہوئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مین اس اظہار رائے پر مجبور ہون کہ اگر اصل منشا ادب پر غور کیا جائے تو غالبًا آگاہ کے عربی کلام سے کوئی اہم اضافہ عربی لٹریچر مین نہین ہوا۔ اور ایک آگاہ پر کیا موقوف ہے خاک ہندوستان مین باوجودیکہ آگاہ و آزاد سے بیشتر بعض اور بڑے بڑے قادر الکلام عربی کے ماہر گذر چکے ہین لیکن ان مین کوئی ایسا ادیب تلاش کیا جائے جس نے اپنی کوشش اور ذوق ادب سے مفید اضافہ عربی لٹریچر مین پیدا کیا ہو تو سوائے مجدد العصر فخر ہندوستان شاہ ولی اللہ کے اور کوئی شخص نہ ملیگا۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ جیسے بلحاظ اپنے مضمون کے اسلام کے مذہبی لٹریچر مین نیا دور پیدا کرتی ہے اسی طرح عربی لٹریچر مین بھی ایک بیش بہا اضافہ ہے جس کی حکیمانہ جزالت سخن نہ عربی ادبا کے کلام مین نظر آتی ہے نہ مذہبی مصنفین مین نہ معقولیون مین شاہ ولی اللہ صاحب بھی آزاد و آگاہ کی ہمعصر ہین۔

فارسی لٹریچر فارسی لٹریچر مین بھی آگاہ کا دیوان موجود ہے اور اگرچہ وہ عربی سے کم ہے اور غالبًا اُن کو فارسی کلام کی طرف وہ توغل نہین تھا جو عربی کے ساتھ تھا تاہم اُن کے شاگردون کی تعداد فارسی کی مشق کرنے والون مین معتد بہ نظر آتی ہے۔ مدراس مین فارسی شاعری کی جو آخری بہار نظر آئی اور جو ہندوستان مین فارسی کی آخر بزم تھی اس مین آگاہ کا بڑا حصہ شریک ہے آگاہ کے اُستاد مرشد قربی کے ایک فرزند ذوقی تھے جو نہایت عالم صاحب تصانیف اور شاعر بھی تھے۔ ان کا کلام نظم و نثر

مین تین لاکھ بیت کے قریب ہے۔ آگاہ کے سامنے ایک دفعہ انہون نے ۵۰۰ شعر فی البدیہہ کہے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد جو قطعہ ان کی مدح مین آگاہ نے کہا وہ تمامہ درج کیا جاتا ہے۔ جس سے ان کا فارسی طرز سخن معلوم ہوگا۔

ذوقے کہ از تراوش فیض زبان او — گلزار نظم و نثر بنشو و نما رسید
عیسی دمے کہ از نفس جانفزاے او — جانے بقالب سخن بے نوا رسید
خسرو سخے کہ شور نے شکرین او — چون شہرت دبیر فلک جا بجا رسید
افراخت چون قصائد خود را بہ اوج عرش — خاقانی و ظہیر بہ تحت الثری رسید
از ہر مطلعش کہ بلند است چون نجوم — از بدر و شمس زمزمہ مرحبا رسید
چون نغمہ سنج شد بغزل طوطیان ہند — گفتند این نواے غریب از کجا رسید
نبود عجب کہ چرخ زند قاضی فلک — از ہر ترانہ اش کہ بہ اوج سما رسید
در مثنوی محیط نبش ریخت چون گہر — گفتند اہل گنجہ کہ رشحے بما رسید
خاک زلالی از نم خجلت تر آمدست — چون موج این زلال بجان دارا رسید
در قطعہ و رباعی و ترجیع بند و فرد — فکرش بمنتہاے خیال رسا رسید
چون دید نثر او دل شگفتہ بہار — گفتا بغنچہ ہاے من اکنون صبا رسید
ہر کس کہ بنگرد بتصوف تصرفش — گوید بہ بہر جام کہ صدر الوری رسید
در منطق و بیان و معانی ز نطق او — بس نکتۂ بدیع بجدا رسید
ہر مشکل عروض و قوافی بفکر او — آسان شدہ بجاے حروف ہجا رسید
جانش بقصد اوج تقدس فشاندہ بال — زین تنگنا بفسحت دار البقا رسید
واماندہ ام بدرد دل خود ز بس ہجرش — این داغ ہجرتش کہ بجانم چہا رسید

تاریخ رحلتش چو طلب کردم از سرش
گر ہمدم حکیم نظامی بدار رسید
۱۱۹۴ھ

ان کی فارسی مین بھی عربیت کا اثر نمایان نظر آتا ہے۔
ان کے ایک شاگرد میر امداد علی امداد بلگرامی بھی ہین جس سے یہ کہا جا سکتا

کو بلگرام بھی ان کے اثر سے خالی نہ رہا۔ ان کے شاگردوں کے حالات تذکرہ گلزار اعظم سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مدراس کی فارسی شاعری پر ہم آیندہ کسی وقت لکھیں گے۔

فارسی میں آگاہ کے اور بھی متعدد تصانیف ہیں جو مختلف مذہبی مسائل پر لکھے گئے ہیں۔

اردو تصانیف

سب سے اہم چیز جو آگاہ کی تالیف میں قابل تذکرہ ہے اور جس کے لئے ہم نے ان کا تذکرہ لکھنا مناسب خیال کیا ان کی اردو تصانیف ہیں ان کی کل تصانیف میں سے (جو عربی۔ فارسی۔ اردو میں لکھی گئی ہیں اور جو بحساب ابیات پچاس ہزار ابیات سے زیادہ ہیں) زیادہ تر حصہ اردو میں مذہبی تصانیف کا ہے۔

آگاہ کا زمانہ وہ تھا جبکہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر گیا تھا اور ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اور اسی لحاظ سے فارسی زبان کا چراغ بھی گل ہو رہا تھا۔ اردو جو درحقیقت ایک عرصہ سے ملک کی ادبی زبان میں کوئی علمی سواد موجود نہ تھا۔ سخت نقصانات پہونچ رہے تھے خصوصاً عورتوں کے لئے تعلیم کا دروازہ بالکل بند تھا۔ یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ فارسی زبان میں تعلیم حاصل کر سکتے جو درحقیقت مادری زبان نہ تھی اور اس نقص کی وجہ سے سوسائٹی کی وہ زبون حالت ہوگئی جسکی آج تک اصلاح نہ ہو سکی بہرحال سب سے پہلے اس نقص کی اصلاح کی جس نے کوشش کی اور اس کا صحیح علاج دریافت کر لیا۔ اور ایک حد تک اس کی سعی مشکور ہوئی وہ مولوی محمد باقر آگاہ ہیں۔ مولوی محمد باقر آگاہ کو یہ اولیت حاصل ہے کہ وہی سب سے پہلے مصنف ہیں جنہوں نے اردو زبان میں سیر و عقائد و فقہ کے متعلق چند کتابیں تصنیف کیں جن میں بعض خاصے ضخیم ہیں۔

یہ کتابین زیادہ تر نظم میں ہین چنانچہ ہشت بہشت جو اردو مین فن سیر کی سب سے
پہلی تصنیف ہے تمام نظم مین ہے ہشت بہشت کی وہی زبان ہے جو ابتدائی دور
کے شعرا کی زبان تھی ہشت بہشت کے دیباچہ کا کسی قدر انتخاب یہان نقل کیا جاتا
ہے جس سے زبان کا انداز معلوم ہوگا ـ

"بعض علمار متاخرین خلاصہ عربی کتابون کا نکال کر فارسی مین لکھے"

"ہین تا دہ لوگ جو عربی پڑہ نہین سکتے ہین ان سے فائدہ پاوین"

"لیکن اکثر عورتان اور تمام امیان فارسی سے بھی آشنا نہین ہین"

"اس لئے یہ عاصی مطلب قسم اول کا بہت اختصار کے ساتھہ"

"لیکر دکھنی رسالون مین بولا ہے اور ہر رسالہ کے وزن"

"علیحدہ ہونے سے خواہش و آرزو پڑھنے والون کی"

"زیادہ ہووے جیسے رسالہ اول کے مع رسالہ"

"عقائد سنہ الکہزار و یک سو اور اسی اور پانچ مین اور"

"الکہزار و یک سو اور اسی اور چھہ مین نثر ہین پیچھے اس کے"

"بہت ڈھیل ہوئی کیا واسطے کہ ایک رفیق با توفیق و جلیس"

"انیس کہ ان رسالون کا طالب اور ایسے خیر کے کامون پر"

"راغب تھا سو رحلت کیا حق تعالی اُسپر رحمت کرے اور اپنی"

"مغفرت سے نوازے اور بہت موانع بھی درپیش ہوے ہر چند"

"اس اثنا مین بعض دوستان واسطے دوسرے رسالون کے لوگے"

"پن اتفاق ان کے بنانے کا نہین ہوا آخر ابتدا ر سنہ الکہزار"

"اور دو سو اور چھہ مین رسالہ مین دو رہن اور ر رسالہ من جیون بنایگا"

"اتفاق ہوا ان آٹھون رسائل مین تخمیناً اٹھہزار اور چھے سو اور"

"پچاس بیت ہین اور سرخیون کے سات نو ہزار بیت ہوینگے"

"اور ان سب رسالون مین شاعری نین کیا ہون بلکہ صاف"

،، اور سادہ کہا ہون اور اردو کے بھاکے مین نہین کہا کیا واسطے کہ ،،
،، رہنے والے یہان کے اس بھاکے سے واقف نہین ہین ایک ،،
،، بھائی یہ رسالے دکھنی زبان مین ہین کر کر سہل و پر سیری ،،
،، بخان کیا واسطے کر بڑے معتبر کتب سے تحقیق کر کر لکھا ہون اگر ،،
،، وہ تمام کتابان تو دیکھے گا یا کسی سے سنے گا تو تجھے قدران ،،
،، رسالون کی معلوم ہوے گی ++ اے بھائی اگر تجھے ان رسالون ،،
،، مین کہین شبہ ہوئے تو اپنے وہم و گمان سے اعتراض نہ کر ،،
،، بلکہ ان سب کتابون مین کہ ان رسالون کے اصل او ماخذ ہین ،،
،، نظر کر کیا واسطے کہ مین بہت تحقیق و تدقیق کر کر لکھا ہون ۔ ان ،،
،، کتابون سے بھی نقلان کے مانند نہین لیا ہون ۔ بلکہ ان مین جو اصح ،،
،، تھا سو اخذ کیا ہون ،،

آگاہ کی اردو نظم کا کچھ نمونہ بھی اس موقع پر ذکر کر دینا ضرور ہے ۔
رسالہ نظم معجزات کے ذکر مین لکھتے ہین ۔

بحول و قوت پروردگار اب ۔۔۔ مین لکھتا ہون اسے با اختصار اب
بترتیب لطیف و حسن اسلوب ۔۔۔ کہ جو دیکھے سو بولے یہ بہت خوب
اگرچہ معجزون کے ذکر اندر ۔۔۔ ہین نسخے جھوٹ (بہت) دکھنی ای برادر
ولے اکثر غلط اس کا بنا ہے ۔۔۔ محدث پاس جھوٹ اس کا عیان ہے
حدیثون مین نہو جس کون ٹھکانا ۔۔۔ حرام ہے اسکا پڑھنا ہور (اور) پڑھانا
لکھا مین اس لئے یہ نسخہ خوب ۔۔۔ پا مین نہیں و جب مرغوب
مین اس درمین رکھا ہون نام اسکا ۔۔۔ جلا دینا ہے دل کون کام اس کا
جب اس نے حسن مطلق ہے نمودار ۔۔۔ ہوا یہ نام اسکے تین سزاوار

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ علمی طور سے آگاہ نے
ہی پہلے اردو مین سیر کی کتاب لکھی لیکن معجزات کے بہت سے رسالے

اردو میں اس سے پہلے بن چکے تھے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ در اصل اردو
گزشتہ زمانہ میں اس سے زیادہ زور پر تھی ۔ جیسا کہ اب تک خیال کیا جا
رہا ہے ۔ بہر حال جہاں تک علمی حیثیت سے معلوم ہوتا ہے آگاہ نے
ہی پہلے اس کام کو شروع کیا اور جس مقصد سے یہ کام شروع کیا گیا تھا
اس میں پوری کامیابی ہوئی ۔ مدراس عام طور پر مانا جاتا ہے کہ عورتوں
میں جو کچھ مذہبی علم پھیلا وہ انہی کتابوں کی وجہ سے تھا اور ایک زمانہ تک
ان کی کتابیں عام طور پر پڑھی جاتی رہی تھیں ۔ آگاہ کے بعد جناب قاضی
بدرالدولہ مرحوم و مغفور نے اس کام کو پوری ترقی بخشی اور ان کے تصانیف
جن کی زبان آگاہ کی زبان سے بلحاظ ارتقا تدریجی زیادہ صاف
تھی آگاہ کی کتابوں کو عام طور سے غیر مروّج کر دیا بہر حال اولیت
کا طرّہ آگاہ کو حاصل ہے اور نہ صرف دکن میں بلکہ کل ہندوستان میں
آگاہ ہی سب سے پہلے اردو میں مذہبی تصانیف شائع کرنے والے ہیں
جیسا کہ ان کی کتاب کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۸۵ھ میں یہ کام
شروع کر دیا گیا تھا جبکہ آگاہ کی عمر (۲۷) سال کی تھی اور زور طبیعت
کے دکھلانے کا پورا موقع تھا ۔ مولانا شاہ عبدالقادر قرآن مجید کا ترجمہ
۱۲۰۵ھ میں لکھا تھا ۔ اس وقت میرے سامنے کوئی ایسا مواد نہیں جس سے معلوم
ہو کہ مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے کب ترجمہ کیا لیکن جہاں تک
میرا قیاس ہے آگاہ نے ان سے پہلے ہی اردو میں اپنا کام شروع کر دیا
تھا اور اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح نظم اردو کی اولیت
کا فخر ولی دکنی کو حاصل ہے اسی طرح اردو میں مذہبی بلکہ عام طور سے
علمی تصنیف کا بانی آگاہ ویلوری ہے اور گو آئندہ زمانہ میں دہلی لکھنو
میں اردو کے بڑے بڑے سرمایۂ ناز باعث فخر اشخاص پیدا ہوئے
اور ہو رہے ہیں ۔ لیکن اس راہ کا کھولنے والا جس نے بلحاظ رفتار

زمانہ سب سے پہلے اس کی ضرورت سمجھی ایک مدراسی ہی تھا اگرچہ اس کے اہل وطن اپنی مردہ دلی سے جیسی چاہیے اس کو شہرت نہ دے سکے لیکن جوں جوں اردو لٹریچر کا دائرہ وسیع ہوتا جائیگا اور اسکی تاریخ روشنی میں آتی جائیگی اسکے اصلی بانیوں کی قدر و وقعت بھی بڑھتی جائیگی -

شاعری

(از مولوی فاضل محمد عبد الباسط صاحب)

مولانا نے جس جامعیت اور تحقیق کیساتھ یہ مضمون لکھا ہے اس میں کسی طرح کا اضافہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن باقر آگاہ کا کچھ انتخابی کلام کلشن کیا جانا ضروری ہے اسلیے ہم اس کمی کو پورا کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ۔ تذکرہ معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ علوم دینیہ میں توغل رکھنے کی وجہ سے شعر شاعری کی طرف زیادہ رجحان نہیں تھا لیکن با این ہمہ جیسا کہ منقول ہے اسقدر حاضر طبع اور سریع الفکر تھے ۔ کہ جب آزاد بلگرامی نے ان کا دیوان طلب کیا تو بہت ہی کم مدت میں ایک مختصر سا دیوان ترتیب دیکر بھیجا۔ ان کے کلام کی نسبت اسی تذکرہ میں لکھا ہے "نثر فاضلانہ بہ نسبت نظم پاکیزہ تر می نوشت" اس سے مولانا کی رائے کی جو آپ نے ان کے فارسی کلام کی نسبت دی ہے تصدیق ہوتی ہے بہر حال تذکروں میں آگاہ کا کلام جسقدر دیکھا گیا ہے ۔ اس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔

در خاک هم ز زلف تو داریم پیچ و تاب — سنبل چگونہ سر نکشد از مزار ما
شب کہ محراب نمازم خم ابروی تو بود — آیۃ النور بہ تکرار من از روی تو بود
شده ست کشتۂ ناز تو زنده جاوید — بخنجر تو مگر آب زندگانی بود
گفتی چو ند رحن تو کردم دل خزین — این غنچۂ فسرده نیاید بکار ما

هر که از سلسله جنبانی عشق است آگاه — نگرش از پیچ و خم سبحهٔ زنار گذشت
گر نمی‌داشت اثر جذب محبت آگاه — شمع را سر به ره پروانه چرا گریان کرد
پری رویی که از تاب خیالم می‌پرد رنگش — چسان گیرم در آغوش نگاه گرم خندش

رباعی

ایران بقیاس بر سقیم الافکار — رجحان دارد به هند جنت آثار
نشنیده که بر طبق احادیث آدم — در هند فرود آمد و در ایران بار

کتب خانہ
جامعہ عثمانیہ

کتب خانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ

سلسلۂ تالیفات انجمن طلبۂ قدیم دارالعلوم حیدرآباد دکن

نشان (۹)

دنیائے اسلام میں خونریز مراحل

مولفہ

مولوی حافظ محمد مظہر صاحب (دارالعلوم)

رکن مجلس انتظامی انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم و انجمن ترقی تعلیم و ثروت حیدرآباد دکن و مجلس اصلاح معاشرت مسلمین

مطبوعہ مطبع فیض الکریم چھتہ بازار حیدرآباد دکن

قیمت ۱۲/

مطبع ہذا میں صرف ٹیٹل طبع ہوا۔

نقل مراسلہ صدر دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی ۲۴ شہریور ۱۳۲۸ ف

نشان (۱۹۱۸) نشان مثل $\frac{۱۶۳}{۱۸}$ ۲۷ ف صیغہ کتب

معتمد

منجانب .... ناظم تعلیمات سرکار عالی

بخدمت معتمد صاحب انجمن طلبۂ قدیم دار العلوم بذریعہ کپٹن رگھوناتھ ترپاٹھی راؤ حیدرآباد دکن } کتاب اخلاق رسالت پناہی

بسلسلہ مراسلہ دفتر ہذا نشان (۵ ۱۲۵) مورخہ ۱۰ خورداد ۱۳۲۸ ف نگارش ہے کہ صدر مجلس انتخاب کتب نے فیصلہ کیا ہے کہ کتاب اخلاق رسالت پناہی باستثنائے دار العلوم علیا جملہ مدارس کے طلبہ کو انعام میں دیجائے حسب تصفیہ مجلس انتخاب کتب کتاب مذکور ۱۳۲۹ ف کے فہرست کتب انعامی میں شریک کیجائیگی عہ فقط

شرحہ دستخط

(جناب) نرسنگ راؤ (صاحب)

مددگار ناظم تعلیمات

عہ اخلاق رسالت پناہی فہرست کتب انعامی میں شریک ہو چکی ہے اس کتاب کی قیمت (چکنا کاغذ) (۲/۶/۲ ر) یا (کھرا کاغذ) ۲ ر ہے۔ دار الکتب صحیفہ سٹرک اسٹیشن حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہے ۱۲ **شریک معتمد**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد ۴ صحیفہ نمبر ۹ و ۱۰

(۴)

دنیائے اسلام میں خونریز ہلچل

گزشتہ اپریل کی ۱۳ سے ۲۷ تاریخ تک دو ہفتہ کی قلیل مدت میں جو عظیم الشان خونریز حیرت انگیز انقلاب ترکانِ آلِ عثمان کی مملکت کو دیکھنا پڑا ہے اُس نے دنیا کی تاریخ میں ایک نئے اور اہم باب کا اضافہ کیا ہے۔ انقلاب تو ہوا تھا ینگ ٹرکش پارٹی کے زور کو کم کرنے اور سلطان عبد الحمید کی طاقت کو بڑھانے کے لیے، مگر انجام یہ ہوا کہ بہت سا انسانی خون بہنے کے بعد، صرف پندرہ روز میں وہ مدبر اور زبردست عبد الحمید جو کچھ کم ½ صدی سے خلیفۃ الاسلام اور وسیع ٹرکش امپائر کا فرمانروا تھا۔ جو لاکھوں مربع میل اور کروڑوں انسانی قسمتوں کا مالک تھا۔ جس نے سلطنتِ عثمانیہ کی بہبودی و ترقی کی خاطر سے مسلسل سخت ترین محنت اور جانسوزی کو اپنا ہمدم بنایا تھا۔ جس نے سلطنت کو وراثتاً ایسی حالت میں حاصل کیا تھا کہ وہ دیوالیہ تھی، جنگ و جدل، فتنہ و فساد، سازش و فریب کا مرکز بنی ہوئی تھی اور اُس کی زندگی کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ جس نے

بہت سی ایسی اصلاحیں ملک میں کیں۔ جن کا پہلے نام ونشان نہ تھا جس نے سازشوں کے توڑنے کے لیے ملک کی مفسدانہ جماعتوں سے اور یورپین گورنمنٹوں سے ڈپلومیسی کے میدان میں عقل وقلم کے ذریعہ جنگ کی تھی جس نے ارمنی خونریزیوں کو مٹا دیا تھا۔ جس نے یونان پر فتح مبین پائی تھی۔ جس نے مملکت عثمانیہ اور دنیائے اسلام کی اخوت کے پراگندہ شیرازے کو مجتمع کرنا چاہا تھا۔ جو صالح اور مذہب پرست مسلمان تھا جس نے بغداد وحجاز ریلوے لائینوں کی تجویز وتکمیل شروع کردی تھی جس کی نظر تلطف ونگاہ عنایت کی جستجو میں یورپ کے ذوی الاقتدار، مغرور تاجدار کوشاں رہتے تھے۔ جس کی مدبری، فرزانگی وسیاست کے ڈنکے دنیا کے ہر ہر گوشے میں بجے ہوئے تھے۔ جس کی محبت کا نشہ کروڑوں اسلامی دلوں کو سرشار بنائے ہوئے تھا۔ جس کے خطبے سے کلمہ گویوں کی ہر ہر مسجد مہینے میں چار مرتبہ گونجا کرتی تھی۔ جس کے ایک لفظ پر لاکھوں انسان دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت پر حملہ کرنے اور مرنے کٹنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ جس کے حریم مکنت میں دنیا کی ہر قسم کی شان وشوکت ہاتھ باندھے کھڑی رہتی تھی۔ جس کی سکونت کے لیے دنیا کی منتخب ترین منظر پر سرِ فلک کشیدہ ایوان موجود تھے۔ جو دنیا کی تمام نعمتوں کو ایک اشارے سے مہیا کرسکتا تھا۔ جو ہزاروں خواجہ سراؤں سینکڑوں پری پیکروں بیسیوں سکرٹریوں اور وزیروں کے حلقے میں رہتا تھا۔ جس کی حفاظت کے لیے ہزاروں سپاہی جان جوکھم میں ڈالے رہتے تھے۔ آج اپنے رفیع المنزلت، عظیم المرتبت اورنگ حکومت سے ہٹا دیا گیا۔ اور ایک مقہور، مجبور، مظلوم، مغلوب، بے بس، بے کس، اسیر سلطانی بنکر وطن سے کوسوں دور، چھوٹے سے تنگ وتاریک شہر سلونیکا کے ایک معمولی مکان میں، ادنیٰ حیثیت سے تمام دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نظر بند ہے

اور گمنام رشاد آفندی جس کے نام تک سے اسلامی دنیا کا بڑا حصہ بیخبر تھا اور جو دستور سے پہلے سلطان عبد الحمید کا شاہی قیدی تھا۔ اب سلطان محمد خامس کے لقب سے ملقب ہو کے ترکان آل عثمان کا فرمانروا، عبد الحمید خان، اُن کی فیملی، اُن کی رعایا، اُن کی دولت اور اُن کی قسمتوں کا مالک بنا ہوا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

یہ راز آشکار ہے کہ سلطنتِ عثمانیہ کا دوسرے ممالک اسلام اور خاصکر ہندوستان کے مسلمانوں میں بہت کم وقار و احترام تھا۔ لیکن سلطان عبد الحمید نے اپنی اولوالعزمانہ، مدبرانہ، ہمدردانہ روش سے ایک نیا رنگ پیدا کیا تھا اور جو محبت و عزت تمام دنیا کے مسلمانوں میں ترکی سلطان ترکی سلطنت و ترکی رعایا، سے پیدا ہو گئی تھی وہ محتاج بیان نہیں ہے یہی وجہ تھی کہ جن دنوں ترکی کے انقلاب و شورش کی خبریں ہندوستان میں آرہی تھیں یہاں کے مسلمان مضطرب اور بے چین تھے اور جب برقی لہر نے اُن کو یہ سنسنی پیدا کر دینے والا پیام پہنچایا کہ "سلطان عبد الحمید خان معزول ہو گئے" تو دفعتاً اُن کے دل بے قابو اور دماغ بیکار ہو گئے چہروں پر رنج و افسردگی پیدا ہو گئی۔ اس تغیر کو نہایت نامبارک سمجھا گیا اور اب تک یہ خیال کیا جا رہا ہے کہ اس انقلاب نے نہ صرف عبد الحمید کا خاتمہ کر دیا بلکہ سلطنتِ عثمانیہ کو قعر بربادی کے کنارے لگا دیا ہے۔

مملکت عثمانیہ کے اس انقلاب کے پہلو بہ پہلو تمام اسلامی دنیا میں ناخوشگوار ہلچل نظر آرہی ہے۔ چند ہی دن کے پہلے مراکش کے فرمانروا مولا عبد العزیز کی قسمت کا بھی قریب قریب وہی انجام ہوا ہے جو اب عبد الحمید خان کا ہوا ہے۔ اور مولا عبد الحفیظ اُس کا قائم مقام بن چکا ہے۔ جرمن اور فرنچ گورنمنٹوں کے دندان آز اُن کی دلفریب دولت پر پورے تیز ہو چکے ہیں۔ ملک میں ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی ہے

امن و امان کا بیج مرگیا ہے۔ ایران سیول وار کا گھر بنا ہوا ہی۔ شاہ و رعایا میں آزادی کے لیے کشاکش ہو رہی ہے۔ ضابطہ اور قانون کی چولیں ڈھیلی ہوگئی ہیں۔ چھری کٹاری کا بازار سرد نہیں ہوتا۔ اُس کی اس ابتر حالت سے یورپین گورنمنٹیں واقف ہو چکی ہیں۔ اور اپنے اپنے فوائد کے اکتساب پر مستعد و آمادہ نظر آرہی ہیں۔ افغانستان میں ابھی ابھی ایک خوفناک سازش کا انکشاف ہوا ہے جو شاہِ خود مختار افغانستان کی جان لینے کے لیے کی گئی تھی۔ مصر میں بھی حصول آزادی کے لیے بے چینی اور کشمکش ہو رہی ہے اور اہل مصر عرصے سے حرّیت کے راگ الاپ رہے ہیں مسلمانان ہندوستان سلف گورنمنٹ میں اپنے جائز و واجب حقوق سے زیادہ حصہ لینے کے لیے اپنے ہمسایہ ہندوؤں سے کاغذی جنگ کر رہے ہیں حیدرآباد اپنی اندرونی آفتوں کے علاوہ مصائبِ طغیانی میں گرفتار ہے اور اپنی خوشحالی کو رو رہا ہے۔

اسلامی دنیا پر ان آسمانی بلاؤں اور آفتوں کی یورش دیکھکے تمام مسلمان بوجہ اُس مذہبی رشتے کے جسکو "کل مومن اخوۃ" کی گرہ نے ٹوٹنے سے مستغنی کر دیا ہے بیحد ملول ہیں۔ اور باغ اسلام میں تازہ بہار آنے سے بالکل مایوس ہو گئے ہیں۔

کیا یہ ملال و مایوسی درست اور حق بہ جانب ہے؟ کیا درحقیقت اب اسلام و اہل اسلام کا خاتمہ ہو چکا؟ کیا حشر ہونے والا ہے دولتِ عثمانیہ اور اُن دوسری اسلامی سلطنتوں کا جہاں ہلچل مچی ہوئی ہے؟۔

یہ سوالات ہیں جو اس وقت ہر متجسس و انجام بین دل میں پیدا ہوتے ہیں اور ہوتے جائینگے۔ اسی لیے ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ان کی نسبت میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کی جرأت کروں۔

دنیا کی تاریخ پر نگاہ ڈالنے اور نظریہ ارتقا کے ساتھ اُس کو

مطابقت دینے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ افرادِ انسانی کی طرح اقوام و مذاہب بھی بتدریج وجود میں آتے، ترقی پاتے اور فنا ہو جاتے ہیں چونکہ قومیں افرادِ انسانی کا مجموعہ ہوتی ہیں اس لیے اُن کی عمریں افراد کی عمروں سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہیں۔ اسی طرح مذاہب قوموں کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ لہذا اُن کی عمریں قوموں کی عمروں سے کئی گنی طویل ہوتی ہیں۔ اگر اُن کی ماننے والی ایک قوم زوال پذیر اور فنا ہو جائے تو دوسری قوم اُس کی جانشین ہو جاتی ہے دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی۔ اسی طرح اُس کی ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مذہب دو قسم کے ہیں۔ غیر تبلیغی، تبلیغی۔ جو مذہب غیر تبلیغی ہوتے ہیں یعنے جن میں نئی قوموں کا داخلہ ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایک زمانے میں اپنی معتقد اقوام کے عروج کا سہانا منظر دیکھ کر حالتِ سکون میں آجاتے ہیں۔ اور جو مذہب تبلیغی ہوتے ہیں اُن میں کثرت سے قومیں شامل رہتی ہیں۔ اور وقتاً فوقتاً شامل ہوتی جاتی ہیں۔ اس لیے تا قیامِ حیثیتِ تبلیغی اُن کی بہار قایم رہتی ہے۔ اگرچہ کبھی کبھی صرصرِ حوادث کے جھونکے تھوڑے عرصے تک اُن کی بہار کو بے لطف بھی کر دیتے ہیں لیکن نسیمِ تبلیغ کی فیض گستری پھر وہی بہار پیدا کر دیتی ہے۔ جو پہلے تھی اس دعوے کی زندہ مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ بودھ، مسیحی اور اسلام تینوں کی یہی حالت ہے۔ تینوں تبلیغی مذاہب ہیں اور اِن کے پیرو اقوام میں سے ایک ایک قوم کو ایک ایک زمانے میں عروج و سربلندی حاصل ہوئی اور ہو رہی ہے۔ گو خاص خاص زمانوں میں بہار کے آفتاب کو گہن لگ گیا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ اب تباہی کے دن آگئے۔ لیکن ادھر گہن دور ہوا اور اُدھر وہی بہار مزید رونق کے ساتھ نظر آنے لگی۔ مذکورۂ بالا مذاہب پر وقتاً فوقتاً بلائیں آتی رہیں۔ چنانچہ مسیحی مذہب پر حضرت عیسیٰ کے عروج و ارتفاع کے بعد اور پھر ازمنۂ مظلمہ میں، بودھ مذہب پر اُس کے

ہندوستان سے بدر ہونے کے بعد، اور انیسویں صدی میں، اسلام پر خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد، اور پھر تاتاریوں اور مغلوں کے پہ سطت الم جہانکشائی کے زمانے میں آفتیں آئیں بلکہ اسلام پر تاتاریوں کے ہاتھوں جو قیامت آفرین ظلم وستم برپا ہوئے وہ اب تک ہر شخص کو رلانے کو لیے کافی ہیں۔ مگر جب حوادث کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ گئیں اور آفتوں کے بادل پھٹ گئے تو ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔ کا جلوہ نظر میں پھرنے لگا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ دراصل کوئی دقفہ اُس بہار میں آیا ہی نہ تھا۔ جب فلسفۂ ارتقا اور تاریخ عالم دونوں بلند آوازی سے پکار رہے ہیں کہ تبلیغی مذہب فنا کی دسترس سے باہر ہوتا ہے اور جب کہ خلافتِ راشدہ کے درد انگیز خاتمے پر وہی بنی اُمیہ جو خونریزی کی بانی مبانی تھے تاریخ اسلام میں ایک زر نگار دور چھوڑ گئے ہیں جو فتوحات، وسعتِ سلطنت، دبدبۂ اسلام، ترقیٔ علم وہنر، و تمدن و تہذیب کی اعتبار کے خاص مرتبہ رکھتا ہے۔ اور جب کہ تاتاری و مغل باوجود اس کے کہ سیلاب کی طرح کل اسلامی دنیا پر چھا گئے تھے اور اسلامی تمدن و تہذیب و علم و ہنر کے مٹانے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا تھا۔ بلا امتیاز مرد و زن اصغیر و کبیر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ اور کوئی امید اسلام کی زندگی کی باقی نہیں رہی تھی۔ تاہم ان ہی تاتاریوں اور مغلوں نے حلقہ بگوش اسلام ہو کے از سرِ نو اُس میں جان ڈالی، نئے ممالک فتح کیے نیا تمدن قایم کیا اور وہی رنگ پیدا کر دیا جو گزشتہ صدیوں میں جھلکتا تھا۔ نیز جب کہ ہم دعویٰ کرتے ہیں اور درحقیقت صحیح دعوی کرتے ہیں کہ مذاہبِ عالم میں اسلام ہی سب سے اعلیٰ و افضل اور تمدن و تہذیب کا حامی ہے۔ اور جب کہ ہم خدا کے اُن وعدوں پر جو اُس نے اسلام کی فتح و نصرت کے متعلق کیے ہیں ایمان رکھتے ہیں۔ جب کہ ہم میں ایسی

قومیں موجود ہیں جنہوں نے ابھی تک بلحاظ فطرت اللہ گلزار عالم کے پھولوں سے اپنا دامن نہیں بھرا ہے اور جب کہ دوسری نئی قومیں اسلام کی خوبیوں کو پسند کرنے لگی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام اور اہل اسلام کی آیندہ ترقی جو یقیناً ہونے والی ہے اور بہت جلد ہونے والی ہے ہم مایوس ہو جائیں۔ بے شک بہ تقاضائے اصول فطرت بہت سی اسلامی قومیں اور سلطنتیں تباہ ہوئی ہیں اور تباہ ہوتی جائینگی۔ لیکن ساتھ ہی نئی قومیں اور نئی سلطنتیں اُن کی جانشین بنی ہیں اور بن رہی ہیں اور بنتی رہینگی۔

اِس تھوڑی سی اُصولی بحث کے بعد میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ مملکتِ عثمانیہ کا انقلاب حق بہ جانب ہے یا نہیں؟ اور جو ہل چل یہاں اور دوسرے اسلامی حصص میں ہوئی اور ہو رہی ہے اُس کا کیا انجام ہوگا؟۔

سب سے پہلے مملکتِ عثمانی اور اُس کے انقلاب کو لیجیے عثمانی گورنمنٹ کی عمر چھ سو سال سے زیادہ کی ہے وہ اپنے عہدِ شباب کو ختم کر چکی ہے اور کہولت کے دورہ میں چل رہی ہے۔ اور کسی طرح اُس گردشِ تقدیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی جو تمام اقوامِ عالم کو چکر دیتی اور آخرِ کار تباہی کو پہنچا دیتی ہے۔ لیکن جس طرح ہزاروں انسان کہولت کی بیماریوں میں مبتلا ہونے پر بھی اپنے عمدہ قویٰ اور حاذق طبیب کی مسیحائی سے قبل از وقت نہیں مرتے اور عمرِ طبعی کو پہنچتے ہیں اُسی طرح ترکان آلِ عثمان کے لیے، جن میں ابھی سادگی سپاہ منشی، دلیری، استقلال، تحمل شدائد کی اعلیٰ ترین صفات جن سے قومیں بنتی اور باقی رہتی ہیں موجود ہیں یہ ممکن اور بخوبی ممکن ہے کہ اپنے تنزل کے اسباب کا صحیح علاج کر کے اُس کو مٹا دیں اور اپنی گورنمنٹ کی عمر کو دراز کر دیں۔

میرا خیال ہے (امید ہے کہ اس خیال کے آزادانہ اظہار پر جو اکثر مسلمانان ہند کے متخیلات کے بالکل مخالف ہے معافی دی جائیگی) کہ ترکش امپائر کا یہ نیا انقلاب جو عبدل کے عزل اور رشاد کے نصب پر ختم ہوا ہے ایک ضروری جلاب یا نشتر تھا جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا اور جس طرح جلاب و نشتر کے بعد بیمار کو معجونات و مفرحات استعمال کرائے جاتے ہیں۔ اسی طرح ٹرکش امپائر کو اس جلاب و نشتر یعنی انقلاب کے بعد مفرحات و معجونات (اصلاحات) کی حاجت ہے چونکہ حاذق اطبا (زبردست کیبنٹ و پارلیمنٹ) اس کو مفرحات و معجونات (اصلاحات) دے رہے ہیں قوی امید پڑ لی ہے کہ انجام بخیر ہوگا۔

چونکہ کوئی انسان غلط کاریوں اور خطاؤں سے محفوظ نہیں رہ سکتا اس لیے سلطان عبدالحمید خان نے بھی اپنے سینکڑوں مفید کارناموں اور عمدہ اصلاحوں کے ساتھ ساتھ بہت سی خوفناک غلطیاں (بری نیت سے نہیں بلکہ خطاءِ اجتہادی کے طور پر) کیں جنہوں نے آگے چل کے بڑھتے بڑھتے ہیبت انگیز شکل اختیار کر لی اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ معزول کیے جائیں۔ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تھا ینگ ٹرکش پارٹی نے جو کام انجام دیا ہے وہ بالکل بجا اور درست معلوم ہوتا ہے۔

مذکورۂ بالا دعوے کو صحیح ثابت کرنے کے لیے سلطنت عثمانیہ کی نوعیت اور ان انقلابوں پر نظر ڈالنی ضرور ہے جو بغرض اصلاح اس وقت عمل میں لائے جا رہے ہیں۔

ترکی مملکت کا یورپین حصہ اور بہت سا مشرقی قطعہ ایسا ہے جو خون بہا بہا کر عیسائیوں سے لیا گیا ہے نیز اس کا اکثر حصہ خاصکر

دارالخلافہ (قسطنطنیہ) ایسے موقع پر واقع ہے کہ یورپین دل عموماً اور شہنشاہِ زار خصوصاً اُس کو قبضہ کرنے کی آرزو پر مرتے اور تدابیر میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ امر فطرتِ انسانی بلکہ طبیعت حیوانی تک میں داخل ہے۔ کہ وہ اپنی چیز کو غیر کے قبضے میں ٹھنڈے دل سے بے رنج و ملال نہیں دیکھ سکتی اس لیے یہ ناممکن ہے کہ مسیح کا کلمہ پڑھنے والے ایسے وقت میں جب کہ وہ سائینس کے، تمدن کے، تہذیب کے مالک ہیں نچلے اور خاموش بیٹھ سکیں۔ تاوقتیکہ اُن کا جواب اُن ہی ہتھیاروں سے نہ دیا جاے اور رعایا کو بلا اختلاف مذہب و ملت اِس قدر امن چین نہ ملے کہ سب کی سب بالاتحاد اُس کو اپنی سلطنت سمجھنے لگے۔

جب سے ترکوں نے وائنیا کی دیواروں کے نیچے شکست کھائی عیسائیوں کا آفتاب گرہن سے چھوٹنا شروع ہوا۔ اور وہ میدان ترقی میں قدم بڑھانے لگے۔ اِدھر ترک ترقی تو درکنار حالتِ سکون میں آ گئے۔ بلکہ پیچھے ہٹنے لگے۔ کبھی کبھی تلوار نیام سے نکلی تو اپنے ہی بھائی بندوں کا گلا کاٹنے کے لیے اپنوں اور یگانوں کا خون بہانے کے لیے۔ ترک تعصب اور غرور سے سر نیچا ہی نہ کرتے تھے دربار سازش کا جولانگاہ بنگیا تھا شیرازہ انتظام پراگندہ ہوگیا تھا۔ ابتری اور بدنظمی دن بہ دن بڑھتی ہی جارہی تھی۔ اِس حالت سے مسیحی فائدہ اُٹھانے لگے۔ تلوار سے، تفنگ سے، سائینس سے، ڈپلومیسی سے ترکی طاقت کو بتدریج گھٹانے لگے۔ دو تین صدیاں اسی طرح گزر گئیں روس نے اپنی طاقت بڑھا لی اور دیرینہ آرزو کو پورا کرنے کے سامان کرنے لگا۔ ترکی فرمانرواؤں میں سب سے پہلے سلطان سلیم ثالث شہید نے اپنی گورنمنٹ اور قوم کے نازک حالات کو محسوس کیا اور کوشش کی کہ فوج یورپین ہتھیاروں سے آراستہ ہو اور یورپین اصول جنگ کی تعلیم پائے۔ انتظام مملکت میں جو جو نقص پیدا ہوگئے ہیں

وہ رفع کیے جائیں اور سلطنت کو از سرِ نو ترقی پر لایا جائے۔ بدقسمتی سے
سلطان سلیم کو کوئی معتبر سپاہیوں اور پُرانی لکیر کے فقیروں سے سابقہ پڑا
جو ہیچ من دیگرے نیست کے نشے میں مست تھے اور جو دشمن سے سلامتی
کی صورت اسی میں سمجھتے تھے کہ اس کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں اور بس
اس لیے سلیم کو اپنے نیک خیالات اور اُن ارادوں میں کما حقہ کامیابی
نہ ہو سکی۔ اور آخر کار اُس کو اپنے چچازاد بھائی سلطان مصطفیٰ خان رابع
کے لیے تخت خالی کرنا پڑا۔ سلطان سلیم ثالث تخت و تاج کا بھوکا نہ تھا
بلکہ وہ قوم کا عاشق تھا۔ اُس نے بلا تامل سلطنت پر لات ماردی اور
اپنا تمام زور مصطفیٰ رابع کے چھوٹے بھائی نوجوان محمود کو امورِ مملکت
و رموزِ سیاست سکھلانے میں صرف کیا۔ مصطفیٰ رابع بالکل احمق اور کمزور
سلطان ثابت ہوا۔ اور سلیم کی بیقصوری اور اصلاح کی ضرورت روز بروز
محسوس ہونے لگی۔ بدبخت سلطان گھبرا گیا اور سلیم کو شہید کر کے جھگڑا ہی
مٹا دینا چاہا۔ لیکن خونِ ناحق رنگ لائے بغیر نہ رہا۔ وہی روزِ بد جو سلیم کو
دیکھنا پڑا تھا مصطفیٰ کے آگے آیا۔ اور سریرِ خلافت پر نوجوان سلطان محمود
ثانی متمکن ہوا۔ محمود سمجھ گیا تھا کہ خود سر ینگ چریوں کا خاتمہ سیدھی طرح
ناممکن ہے۔ اُس نے چپکے چپکے ایک زبردست فوج جو یورپین فنون و
سامانِ جنگ سے واقف و مسلح تھی تیار کی اور پھر ایک ہی دن ینگ چریوں کا
جو ہزاروں کی تعداد میں تھے ایک سخت خونریز لڑائی کے بعد جو قسطنطنیہ میں
پرچم اسلام لہرانے کے بعد نہ ہوئی تھی اور نہ پھر آج تک ہوئی خاتمہ کر دیا
اور بے کھٹکے مدبری و فرزانگی کے ساتھ اصلاحات کو عمل میں لانے لگا
ان اصلاحات کو دیکھ کے روس اور آسٹریا جو ٹرکش امپائر کے حصے بخرے
کرنے کی مدت سے تیاری کر رہے تھے دفعتاً چونک پڑے اور اندرونی
سازشوں سے عیسائی رعایا کو برانگیختہ کرنے لگے محمود کی زندگی بھر تو

کوئی منتر چل نہ سکا۔ لیکن اُس کی موت کے بعد کمسن عبدالمجید کو فرمانروا دیکھکر زار کے منھ میں پانی بھر آیا۔ اُس نے موقع کو غنیمت جانا اور آسٹریا کی خفیہ امداد کے بھرتے پر زبردستی اعلانِ جنگ دے دیا۔ یورپ اگرچہ مسیحیوں کا گھر ہے اور اِس قدر طاقت رکھتا ہے کہ اگر ان میں اتفاق پیدا کردے تو دنیا کا نقشہ کچھ سے کچھ ہو جائے لیکن قادرِ مطلق نے روزِ ازل ہی سے "**بینهما العداوة و البغضاء**" کا ناطق فیصلہ کر دیا ہے۔ اس لیے گو یورپین دولتیں کاغذی طور پر متحد نظر آتی ہیں لیکن در پردہ ایک دوسری کے قلع وقمع پر تلی رہتی ہیں۔ اسی بنا پر جب یہ دیکھا گیا کہ روس و آسٹریا کی گدیں ترکی کا گوشت نوچنا چاہتی ہیں تو فرانس و انگلنڈ اُس کی حمایت پر آمادہ ہوئے اور تینوں کی متفقہ فوجوں نے نامور جنرل عمر کے زیر کمان اُس کو نہایت سخت شکست دی۔ اس فتح وظفر سے ترکوں کو کچھ کچھ وقار حاصل ہوا۔ یورپ کی بازاروں میں اُس کا اعتبار ہو گیا اور یورپی اقوام اُن سے ڈرنے لگیں ضرورت تھی کہ عبدالمجید موقع کو غنیمت جانتا جو اصلاحیں ادھوری رہ گئی تھیں اُن کو پورا کرتا۔ اُن سازشوں کا جو اُس کی مسیحی رعایا کو سرکش بنانے اور حلقۂ اطاعت سے نکال دینے کے لیے کی جاتی تھیں انسداد کرتا لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ عبدالمجید عیش و تنعم میں پڑ گیا۔ اور دادِ عشرت دینے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قبل از وقت دنیا کو رخصت کرنا پڑا۔ اُس کے بعد اُس کے بھائی سلطان عبدالعزیز کو تخت و دیہیم ملا۔ عبدالعزیز ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھا اور اگرچہ اُس کی دلی خواہش تھی کہ سلطنت کو فلاح و رفاہ حاصل ہو اور ابتدا میں اُس نے کام بھی عمدگی سے چلایا۔ لیکن یورپ کو جا کر اُلٹا سبق پڑھ آیا۔ اُس کے دل میں یہ خیال جم گیا کہ جہاں تک ممکن ہو زندگی آرام و راحت سے بسر کی جائے

عظیم الشان قصر تعمیر ہوں۔ بیش قیمت یورپین فرنیچر خریدا جائے۔ خوبصورت عورتیں محل میں بڑھائی جائیں وغیرہ وغیرہ۔ سامانِ عیش کے لیے روپیہ کافی نہ ہوا تو یورپ کی بنکوں سے کروڑوں پونڈ گراں تر سود پر لیا گیا۔ عیش و آرام کی خواہش کے ساتھ خود مختاری مطلق العنانی میں بھی اضافہ ہوگیا۔ بھائی بند جو وارثِ سلطنت تھے اسیرِ سلطانی بنائے گئے۔ انتظامِ سلطنت سے غفلت برتی گئی "روپیہ روپیہ" کی پکار ہر طرف بلند ہوئی رشوت ستانی کا بازار گرم ہوگیا۔ آخرش نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ خزانہ خالی ہوگیا۔ تحصیل مالگزاری کم ہوگئی۔ ہر طرف ظلم کی فریاد مچنے لگی۔ فوج و سیول ڈپارٹمنٹوں کی ماہواریں چڑھ گئیں۔ قرضوں کی ادائی تو درکنار سود تک نہ دیا جا سکا۔ بدمعاش خائن سازشی وزرا و حکام سلطان کے گرد محیط ہوگئے۔ اس ابتر حالت نے یورپ کی ہمدردی کو بھی کم کر دیا۔ اور رعایا تو پہلے سے غضبناک ہوگئی تھی۔ روشن خیال ترک جن میں مدحت پاشا کا نام خصوصیت سے تاریخ میں نمایاں رہیگا۔ یہ محسوس کرنے لگے کہ تمام یورپ میں تو رعایا کو کم و بیش امورِ سلطنت میں دخل ہے۔ اور اس کی بدولت یورپ تیز پا ترقی کر رہا ہے اس کے مقابل مملکت عثمانیہ میں ایک خود مختار حاکم اور اُس کے خودغرض خاشیہ برداروں کی بدولت اندھیر مچی ہوئی ہے۔ ترکی کا کچومر نکلا جا رہا ہے سلطان اور اُس کے منظورِ نظر رعایا کا پیٹ کاٹ کاٹ کے اور کلیجہ نوچ نوچ کے دولت نکال رہے ہیں اور بیفکری سے اُڑا رہے ہیں۔ جانباز ملازم بھوکوں مر رہے ہیں۔ تعلیم اور اُمورِ رفاہِ عام کا مطلق کوئی لحاظ نہیں کیا جا رہا ہے پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ٹرکش امپائر میں سلف گورنمنٹ رعایا کو نہ ملے اور سلطان کی مطلق العنانی اور اُس کے حاشیہ نشینوں کی بدمعاشی کا استیصال نکر دیا جائے ان خیالات کی بنا پر وہ آزادی کے نعرے لگانے لگے اور حریت کے

راگ گانے لگے۔ سلطان عبدالعزیز کو عشرت پسندی نے اور اُن حوالی موالی کی مکاری وگزبری نے اس قابل نہ رکھا تھا کہ وہ ان اعلیٰ اور پاکیزہ احساسات پر غور و تامل کرتے وہ روز بروز زیادہ خود رائے اور متلون المزاج ہوتے گئے اب مجبوراً محب وطن مصلحوں کو ضرورت پڑی کہ خفیہ کارروائیاں شروع کریں سلطان نے تمام مشکلات سے گھبرا کر روسی گورنمنٹ سے یارانہ پیدا کیا۔ جو اپنی دیرینہ آرزو کو پورا کرنے اور اُس نقصان و توہین کا انتقام لینے کے لیے جو سلطان عبدالمجید کے عہد میں اُس کو اٹھانی پڑی تھی چشم براہ تھی۔ شہنشاہِ زار اور اُس کے اعوان و انصار اِس موقع پر خوب کھل کھیلے۔ ایک طرف تو مکارانہ روباہ صفت دوستی سے عبدالعزیز کو رام کیا۔ دوسری جانب تمام عیسائی رعایا کو بغاوت و سرکشی پر اکسا کر ہر ایک ممکن سامان سے مدد دی۔ ان سب پر مستزاد یہ کہ خود کامل ساز و سامان سے جنگی تیاری کرنے لگا۔ اس نازک حالت میں بجز اس کے چارہ نہ تھا کہ عبدالعزیز کے زہریلے اور بیکار وجود سے تخت خالی کرایا جائے۔

روشن خیال اور محب وطن لیڈروں نے ڈپلومیسی مردانگی کے ساتھ فوج کو متفق کر لیا۔ اور شیخ الاسلام کے فتوے پر بلا کسی خونریزی کے عبدالعزیز کو معزول کر کے عبدالمجید کے بیٹے مراد کو سلطان ترک بنایا۔ عبدالعزیز کی بدقسمتی یہیں پر ختم نہیں ہو گئی اُسے سلطنت کے ساتھ جان بھی کھونی پڑی۔ معزولی کے ایک ہفتے بعد ہی اُس کے قدیم ہواخواہوں کے اور روسی سازشوں کے اندیشے سے گھبرا کر اُس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا اُس کے قتل کرنے والوں کے پاس اگرچہ اُس کے اِس انجام غم کے لیے بہت سے کافی وجوہ تھے لیکن پھر بھی بلحاظِ شریعتِ اسلامیہ یہ ہ خونِ ناحق ہوا اور قاتلوں کی گردن پر رہیگا جس کا بُرا نتیجہ آگے چل کر

نہ صرف حامیان سلف گورنمنٹ کو بھگتنا پڑا۔ بلکہ خود کانسٹیٹوشن کا وجود عرصہ تک معدوم رہا۔ اور اُس کے لیے از سرِ نو نئی انسانی قربانیوں کا کفارہ دینا پڑا۔

عبد العزیز کے عزل کی خبر باستثنائے ہندوستان اور اُن دور دراز ممالک کے جہاں اصلی حالت کا علم نہ تھا کل ترکی قلمرو اور دنیا کے دوسرے حصص میں بڑی خوشی کے ساتھ سُنی گئی اور نیز سلطان مراد کے جلوس پر دلفریب امیدیں بندھ گئیں۔ اور خیالی پلاؤ پکنے لگے۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد نظر آگیا کہ نیا سلطان اول تو کمزور طبیعت کا فرمانروا ہے۔ دوسرے خود مختاری کا شایق ہے۔ اس پر ایک اور انقلاب کی تیاری کی گئی عبد الحمید خان سے جو مراد کا بھائی تھا قیام کانسٹیٹوشن کے حلف اور وعدے لیے گئے اور بالآخر امن و امان کے ساتھ سلطان عبد الحمید خان ۳۱۔ اگست ۱۸۷۶ء کو ٹرکش امپائر کے مالک بن گئے اور سلطان مراد نامراد پھر اُسی محبس میں مقیم ہوا جہاں سے چند ماہ پیشتر چھٹکارا پا چکا تھا۔

اس وقت مملکت عثمانیہ بدامنی، بدنظمی، خونریزی کا مرکز بن گئی روس سے لڑائی ٹھن گئی۔ خزانہ پہلے سے خالی تھا۔ یورپ کے ساہوکاروں کا تقاضا حد سے بڑھ چکا تھا۔ نیا قرض ملنا ناممکن تھا۔ ایسی حالت میں نئے سلطان کا جلوس امید و بیم کی نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا لیکن ہر منصف مزاج اور مبصر کا فرض ہے کہ سلطان عبد الحمید خان کی اُن مساعیٔ جمیلہ کا نہایت کشادہ پیشانی سے اعتراف کرے جن کی بدولت وہ گھنگھور گھٹائیں جو کل مملکت عثمانیہ کو تہ و بالا کر دینے کے لیے پھیل چکی تھیں صرف یورپین ٹرکی کے بڑے حصے کو سلطان کی عملداری سے خارج کرا کر دور ہو گئیں۔ اور اطمینان و امن و امان کی صورت نظر آئی۔ ساتھ ہی یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اگر ٹرکش جنرلوں کی بے ایمانی اور سلطان عبد الحمید خان کی نا یداز حد اعتدال

احتیاط پسندی جو درحقیقت کمزوری کے درجے میں آ چکی تھی نہ ہوتی جس کی بدولت غازی عثمان مرحوم ایک بڑے جانباز لشکر کے ساتھ عرصے تک بیکار رہے اور پھر پلونا کے سے ناموزوں مقام میں لڑنے مرنے پر مجبور ہو گئے تو یورپین ٹرکی کے مقبوضات میں اس قدر قلت نظر نہ آتی جو اس وقت نظر آ رہی ہے نہ وہ اس طرح ناتوان و کمزور رہتی۔

سلطان عبدالحمید خان نے جلوس کے ساتھ ہی ملک کو پارلیمنٹ عطا فرما دی لیکن اُس طرزِ عمل سے جو آگے ظاہر ہوا اُن کا خیال بظاہر ہوتا ہے کہ وہ (غلطی سے) خودمختار حکومت کو ہی ملک کے حق میں مفید و مناسب سمجھتے تھے۔ اسی کے تقاضے سے سلطان عبدالعزیز کی خون بہا کے نام سے بتدریج اُنہوں نے مدحت پاشا اور سرگروہان جمہوریت کو جلاوطن کر دیا۔ ایسی حالت میں جب کہ خونریزی کی آگ بھڑک چکی ہو اور گورنمنٹ ہر قسم کے مشکلات میں گھری ہوئی ہو۔ پارلیمنٹ کو اپنے حامیوں کی جلاوطنی پر کمزور ہو جانا لازمی تھا۔ اس موقع کو غنیمت جان کر سلطان عبدالحمید خان نے لطایف الحیل سے ۳۲ سال تک ملک کو دستور کے بابرکت وجود سے محروم کر دیا۔

مشکلات کے سلجھنے پر سلطان نے اصلاحات کا آغاز کیا۔ لیکن تمام اصلاحات سے جوہر اصلی یعنی حکومتِ خوداختیاری و دستور بالکلیہ خارج کر دیا گیا۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا سلطان خودمختارانہ حکومت کے زیادہ عادی ہوتے گئے اور آخرش اِس بارے میں عبدالعزیز ثانی بن گئے انتظام سلطنت کو جزئیات سے لے کر کلیات تک اپنے ہاتھ میں لے لیا وزرا تک عضوِ معطل بن گئے۔ آزادی کا نام قلمرو عثمانی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ مدارس کے نصاب سے ایسی کتابیں خارج کر دی گئیں، جن میں حُریت و جمہوریت کا شائبہ تک پایا جاتا تھا۔ ایسی اخبارات جن میں

معمولی خبروں کے سوا آزادی و حریت کا ذکر ہو بالکل معدوم تھے۔ نہ ترکی کے خانے ممالک غیر سے انہیں آنے دیتے تھے۔ یہی کتابوں کا بھی حال تھا اس پر طرہ یہ کہ جب تک مسودہ اخبار و کتب گورنمنٹ کے محکمہ تفتیش مطبوعات میں معاینہ ہو کر اجازت نہ حاصل کرے طبع ہی نہ ہو سکتا تھا۔ آزادی کی انجمنوں اور کلبوں کا تو کیا ذکر ہے اس قسم کی باہمی گفتگو بھی جرم سمجھی جاتی تھی۔ ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک خفیہ پولیس پھیلی ہوئی تھی کہ وہ مدارس میں، معابد میں، محافل میں، مساکن میں آزادی کے تذکرہ کی خبر رکھے اور خفیہ ہی خفیہ حریت کے نام لیوا کی مرمت کر دے۔ جو شخص آزادی کا نام ہی لے لیتا یا تو اُس کو ملازمت یا سرکاری نوازشات کی بارش سے رشوت دی جاتی کہ آزادی سے توبہ کرے یا فرمان سلطان و حکم مشیران سلطانی سے باسفرس کی مچھلیوں کی خوراک بنتا۔ خوش قسمت ہوتا تو یورپ میں بھاگ کر پناہ لیتا۔ اس آزادی کے خون پر تو صبر کر لیا جاتا لیکن غضب تو یہ ہوا کہ کل چھوٹے بڑے کام سلطان نے اپنے ذمے لے لیے۔ اس سے ادھر تو اُن وزرا و افسروں سے جو انتظام مملکت کا فطرتی جوہر رکھتے تھے بلحاظ مسلمات علم الاقتصاد قابلیت سلب ہوتی گئی اُدھر اکیلے سلطان کے لیے لامحالہ ناممکن ہو گیا کہ ایسی عظیم الشان سلطنت کا انتظام اکیلے ہی اکیلے کر سکیں۔ اس لیے ناگزیر طور پر سکریٹریوں کی تعداد بڑھائی گئی اور ایسے لوگ اُن عہدوں پر مقرر ہوئے جن کی ترقی کا مدار حرم کی سازشوں یا اور طرح کی مکاریوں اور روباہ بازیوں پر تھا۔ ان بدمعاش خاشوں نے سلطان عبدالحمید کو یقین دلایا کہ تمام رعایا آپ کی دشمن ہے۔ آپ کی خیر اسی میں ہے کہ قصر یلدیز کو قلعہ کی طرح مستحکم بنا کر اُس میں رعایا کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔ رفتہ رفتہ یہ بدمعاش اصلی سلطان بن گئے۔ ایک طرف خزانہ شاہی سے گھر بھرنے لگے تو دوسری طرف

عہدوں کی عطا، جرائم کی معافی، ٹھیکوں کی منظوری اور ہر ایک کام کے معاوضہ میں رشوت لینے لگے۔ اس امر کا اندازہ کرنے کے لیے سلطان کے حواری خزانہ کو کس طرح جونک کی طرح چوس رہے تھے، صرف شیخ جنت پناہ سید ابوالہدیٰ کی نظیر کافی ہے جن کے گھر سے دستور کے بعد متوفی سے مرجانے پر چار نا کھدر روپیہ نکلا۔ جب مرشد کی یہ حالت ہو تو مقتدی کیسے ہو گئے۔ ع۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ رشوت دینے والے رشوت کا عوض حاصل کرنے کے لیے رعایا پر ظلم ڈھانے لگے۔ ظلم و ستم کی کثرت سے رعایا چیخ اٹھی لیکن عبدالحمید خان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ عبدالحمید خان کے آنکھ، کان، منہ، دست و بازو، جو کچھ تھے یہی مشیر تھے جس کاغذ کو چاہتے پیش کرتے اور جس کو چاہتے ڈال رکھتے۔ سلطان عالی مقام شیرازہ اسلام کو متحد کرنا چاہتے تھے لیکن اپنے ملک اپنی رعایا کی حالت زار کی خبر ہی نہ لیتے تھے۔ حجاز و یمن کی مقدس سرزمینوں تک میں عون رفیق، علی راتب، فیضی نے غدر مچا رکھا تھا لیکن مظلوموں کی داد ہی نہ لگتی تھی۔ آزادی کی انسدادی تدابیر میں، ملک کی تعلیمی، تجارتی، زراعتی، صنعتی اصلاحات پس پشت ڈال دی گئی تھیں۔ خفیہ پولیس، محکمۂ تفتیش مطبوعات و مطابع، قصر یلدز کی قلعہ بندیوں کے مصارف، کثیر التعداد مشیروں کی ماہواروں اور حرم کے فرمائشوں اور یورپین بنکوں میں اپنے ذاتی نام سے روپیہ جمع کرنے کی بدولت خزانہ میں اس قدر رقم موجود ہی نہ رہتی تھی کہ وہ ایسے مفید کاموں میں کماحقہ خرچ ہو سکتی۔

انیسویں بیسویں صدی کے دور میں جب کہ یورپ بھر میں کم و بیش کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹ موجود ہو اور ایسے ممالک مشرق تک میں آزادی اور حکومت خود اختیاری کی صدا بلند ہونے لگی ہو جو اس کو جانتے تک نہ تھے

ناممکن تھا کہ نافِ یورپ میں ازمنۂ مظلمہ کی حالت قایم رہتی۔ ترک جو چالیس پچاس سال سے آزادی و حریت کے خواہاں ہیں اور اُس کی خاطر جان جوکھوں میں ڈال کر دو سلطانوں کو یا سانی معزول کر چکے ہیں سلطان عبدالحمید کے دورِ حکومت میں اُس فرق کو محسوس کرنے لگے جو اُن کی ہمسایہ یورپین مملکتوں میں اور اُن کے ملک میں بیّن طور پر نظر آتا تھا۔ وہ سلطان کی غلطی اور جابرانہ افعال سے تنگ آ گئے اور از سرِ نو انقلاب کی تیاریاں کرنے لگے۔ اِن ارادوں میں اُن کو غیر سلطنتوں کے ڈاکٹر خانوں سے بہت کچھ مدد ملی جن کے ذریعے آزادی کی ترغیب دینے والا کم مزاحمت کے ساتھ آ سکتا تھا۔ وہ یورپ میں تعلیم کے لیے بکثرت جانے لگے اور وہاں اُن جلاوطنان ترک سے با آزادی ملنے لگے جو آزادی اور حبِ وطن کی خاطر وطن سے دور پردیس میں غریب الوطنی کے مصائب جھیل رہے تھے۔ سب سے پہلے عیسائی رعایا نے کچھ تو افسرانِ سرکاری کے مظالم سے اور کچھ حصول آزادی کے خیال سے یورپین گورنمنٹوں کی امداد اور سازشوں کے بل بوتے پر فساد شروع کیا اور جب ترکی فوجوں نے اُن کی مزاج پرسی کی تو تمام یورپ کو سر پر اُٹھا لیا۔ اِس طور پر یورپین دول کی مداخلت شروع ہوئی۔ یونان سے جنگ چھڑ گئی اور باوجود فتح کے کریٹ جو دراصل جنگ کا مبدء تھا۔ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور عملاً یونان کے قبضہ میں آ گیا۔ مقدونیا میں یورپین مداخلت شروع ہو گئی۔ مفسدین کی اِن شورشوں اور یورپین مداخلت کی روک تھام میں عبدالحمید خان نے ہمیشہ کمزوری دکھائی ہے اور اِس امید پر کہ شہنشاہ جرمن (جو درحقیقت دنیا میں سب سے زیادہ اسلام کا دشمن ڈپلومیٹ اور خود غرض ہے) دوست بنیگا نہایت اہم مراعات بالکل نرالی طرح پر جرمن گورنمنٹ جرمن رعایا کے ساتھ کیے۔ اِس سے ادھر دوسری گورنمنٹوں کو دشمن بنا لیا اور ادھر وقت پر ہمیشہ جرمن دغا دیتا رہا۔

سلطان عبدالحمید خان اور اُن کے مشیر یہ بالکل بھول گئے تھے کہ ملک کی اصلاحِ اصلی اُسی صورت میں ممکن ہے کہ رعایا حبِ وطن کے جذبات سے متاثر کی جائے وہ سلطنت کی ذمہ داریوں میں شریک بنائی جائے اور اُس کو اُس لاانتہا دولت سے جو ٹرکش امپائر میں قدرت کی فیاضی سے جمع ہے کام لینے کے قابل بنایا جائے۔ سلطان و رعایا میں دوری نہ رہے اُس کی شکایات پر فوراً توجہ کی جائے۔ یورپ و ہندوستان کی طرح بتدریج حکومتِ خود اختیاری رائج کی جائے۔ پریس کی مسلوبہ آزادی واپس دی جائے۔ اگر یہ کام کیے جاتے تو ۲۷۔ اپریل کا روزِ سیاہ کبھی بھی عبدالحمید خان کو نہ دیکھنا پڑتا۔ اور نہ اُن کے اعلیٰ کارنامے اِس ایک اہم غلطی کی وجہ سے ناقابلِ اعتنا ہوجاتے مگر ماتدری ماذا تکسب غداً قدرت کو کچھ اور ہی گل کھلانا منظور تھا۔ عبدالحمید خان اپنے مشیرانِ خاص کے کرتوتوں کی بدولت اپنی خفیہ پولیس اور محکمۂ تفتیش کے گھمنڈ میں پڑے رہے رعایا کے دل غضب آلود ہوتے گئے۔ جاپان کی فتوحات سے اور مظفرالدین آں جہاں کے اپنی رعایا کو حکومت میں شریک و سہیم بنانے سے اور اُن مراعات سے جو اُن کی ہمعصر عیسائی رعایا کے ساتھ ہونے لگے نوجوان ترک جوش میں آتے گئے اور انقلابِ طرزِ حکومت و استحصالِ حریت پر تل گئے۔ خوش قسمتی سے اُنھوں نے ہز اکسلنسی حسین حلمی پاشا کی سرپرستی حاصل کی جو اُسوقت مقدونیا کے انسپکٹر جنرل تھے اور اب صدرِ اعظم ہیں۔ ہز اکسلنسی ترکوں کے نہایت قابل تجربہ کار بیدار مغز ہمدرد ملک، مستقل مزاج، منتظمِ سلطنت افسر ہیں، اکثر ...بجات اور نیز حجاز میں گورنر جنرل رہ چکے ہیں۔ اس لیے اُن تمام ابتریوں سے جنھوں نے عثمانی حکومت کو داغدار کردیا ہے واقف ہیں۔ آزادی و جمہوریت کی بُری گت دیکھکر اُن کا دل بیٹھ گیا تھا۔ نوجوانوں کے جوش کو دیکھکر

ہمت آئی ان کی تجاویز کو اندر ہی اندر اس طرح عمل ہونے دیا کہ خفیہ پولیس کو
مشیران سلطانی کو اور خود سلطان کو بھی مطلق خبر نہ ہونے پائی۔ مقدونیا
کی پوری فوج ہمدرد ہو گئی اور گزشتہ جولائی میں دفعتاً تمام طلسم
پردہ اٹھا کر عبد الحمید خاں سے کہا گیا کہ یا تو وہ حکومت خود اختیاری
عطا کریں یا خونریز لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس وقت عبدالحمید خاں
کی آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ان کی غلط پالیسی نے ملک کا کیا
حال کر دیا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ کیسے نا عاقبت اندیش و بد معاش مشیروں میں
گھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے مصلحت شناسی و انجام بینی سے پارلیمنٹ
کی طلبی کا اعلان (جس کو بتاریخ ۳۲ سال گزر چکے تھے) دیدیا اور ان
تمام ممنوعات کو اٹھا دیا جو آزادی کی مزاحمت کر رہے تھے۔

عبدالحمید خاں کی اس فیاضی نے ترکی ملک میں ایک مبارک اور خوشگوار
انقلاب پیدا کر دیا۔ مختلف المذاہب، مختلف الاقوام، مختلف الخیالات رعایا جو ایک
دوسرے کی دشمن یا کم از کم اجنبی بنی ہوئی تھی بالکل متحد ہو گئی اور یہ صاف طور
ظاہر ہو گیا کہ یہی مہربانی اگر پہلے سے رعایا کی بہبودی کے لئے کی جاتی تو آج
عثمانی سلطنت میں اس طرح کی کمزوری نہ آئی ہوتی۔ تمام دنیا اس حیرت انگیز
مرحمت سے انگشت بدنداں ہو گئی۔ کیونکہ کسی ملک میں بلا خون خرابے اور
جان ستان لڑائیوں کے آزادی اور حکومت خود اختیاری اس طرح اتفاقاً
حاصل نہیں ہوئی۔

پارلیمنٹ کی طلبی پر صلح و امن کے ساتھ ممبروں کا انتخاب ہوا اور
پارلیمنٹ کا دھوم دھام کے ساتھ افتتاح ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یہ ظاہر
ہونے لگا کہ پارلیمنٹ کو عبدالحمید خاں سے اور عبدالحمید خاں کو پارلیمنٹ
سے بدگمانی ہے اور اس بدگمانی کی بدولت غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں۔ پارلیمنٹ
اور ینگ ترکش پارٹی اس امر سے بخوبی واقف تھی کہ ۳۲ سال کے پیشتر بھی

ایک مرتبہ اسی طرح ملک کو آزادی مل چکی تھی لیکن عبدالحمید خان کے خیالاتِ شخصیت وخودمختاری نے اُس کو ملیامیٹ کردیا تھا۔ اور ۳۲ سال تک ممکن سے ممکن عذاب محبان وطن کو جھیلنے پڑے تھے۔ اب بھی ممکن ہے کہ دفعتاً کسی مناسب موقع پر عبدالحمید خان اپنی خودمختاری وشخصیت کو اُن بدطینت مشیروں کی مدد سے پھر قایم کرلیں جن کا حُریت کی بدولت ناس ہوچکا ہے۔ اور جو کسی قابو کی تاک میں ہیں۔

ینگ ٹرکش پارٹی کے خیال میں اس اندیشے سے اُسی صورت میں نجات مل سکتی تھی کہ کیبنٹ میں صرف وہی لوگ بار پاسکیں جو اپنے اقوال وافعال سے حریت پسند ثابت ہوچکے ہوں۔ اِدھر عبدالحمید خان جو اب تک اپنے زعم میں خودمختاری کو ہی موزوں ذریعۂ حکومت سمجھتے تھے ڈرنے لگے کہ کہیں ینگ ٹرکش پارٹی کی بدولت اُن کا بھی وہی انجام نہ ہو جو چچا اور بھائی کا ہوچکا ہے۔ اِس کے انسداد کی تدبیر وہ یہی مناسب سمجھتے رہے کہ کیبنٹ میں نیز تمام ذمہ دار عہدوں پر وہی لوگ قابض رہیں جنہیں وہ معتبر ومعتمد سمجھتے ہوں۔ یہ بدگمانی رفتہ رفتہ کامل پاشا کے اُن احکام سے جو درحقیقت عبدالحمید خان کے فرامین تھے کھلم کھلے اختلاف ومخالفت کی صورت میں بدل گئی۔ اسی وجہ سے وزیر جنگ علی رضا پاشا کو جو دستور پسند تھے مصر میں امپریل کمشنری کے عہدے پر جانے کا حکم دیا گیا۔ اور اُن کے عوض ناظم پاشا جو سلطانی پارٹی کے ممبر تھے مامور کیے گئے۔ بعض بڑے بڑے سرغنے مثلاً انور بک وغیرہ یورپین ممالک میں ترکی سفارت گاہوں کے متعین کیے گئے۔ اس کارروائی پر پارلیمنٹ نے باستثنائے ۲ ممبروں کے کامل پاشا پر بے اطمینانی ظاہر کی ناچار انہیں مستعفی ہونا پڑا اور حسین حلمی پاشا جن سے زیادہ کوئی مستحق اور قابل ترک موجود نہیں ہے صدارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے اب علانیہ ینگ ٹرکش پارٹی پر اُس کے مخالف

اخبارات میں تبرا ہونے لگا۔ حسین حلمی کے اس ارادی کی کہ فرانسیسی قوانین پر اصلاح مناسب ترکی میں رائج کیے جائیں بُرے پہلو سے اشاعت کی گئی اس کے انتقام میں کسی منچلے ینگ ٹرک نے ایک اخبار نویس کا خاتمہ کر دیا بلاشبہہ یہ ایک ناجائز اور ظالمانہ فعل تھا لیکن ایک خاص شخص کی خطاؤں کی ذمہ دار جو اشتعال طبع پر برانگیختہ ہو چکا تھا پوری ینگ ٹرکش پارٹی کیونکر ہو سکتی ہے ؟۔

۱۳۔ اپریل کو قسطنطنیہ کی فوجوں نے ایک سارجنٹ میجر کے زیر سرکردگی ایسے خوفناک طریقے سے حسن فہمی اڈیٹر اخبار طنین کے قتل کا جواب دیا کہ ایک وزیر کی جان گئی ایک زخمی ہوا ایک قید کیا گیا۔ صدرِ اعظم اور چند وزرا پریسیڈنٹ پارلیمنٹ احمد رضا مستعفی ہو کر جان بچانے کو، جہاں سینگ سمائے بھاگ گئے۔ سرغنے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر منزلِ عدم کو پہنچائے جانے لگے، بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ ینگ ٹرکش پارٹی کا زور مستاصل ہو چکا ہے۔ دار الخلافہ کے ہنگاموں نے اورنہ وغیرہ مقاموں میں متعصب مسلمانوں اور مسیحیوں کو سرودِ ہندستان کا مضمون یاد دلا دیا۔ ان ظالموں نے ہفتہ بھر میں زبردستی ہزاروں ارمنوں اور مسلمانوں کی جانیں لے لیں۔ اس فوجی شورش کے متعلق ابھی تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ عبدالحمید خان کا ہاتھ بھی شریک تھا یا نہیں۔ البتہ یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اپنے مشن میں کامیاب ہونے کے بعد انقلابات پیدا کرنے والی فوج شاہی انعامات سے مالامال ہو گئی۔

ایک ہندوستانی مسلمان اخبار مؤید عبدالحمید خان کا خیال ہے کہ جو روپیہ اس فوج کے پاس نظر آیا وہ آستانۂ عالیہ کے متمول یونانیوں کا عطیہ ہے لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ یونانیوں کو ایسی کیا حماقت سوجھ گئی تھی کہ وہ دیدہ و دانستہ جمہوریت کے مخالف بن کر اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں؟

اور پھر روپیہ دیں تو کس لیے دیں؟ شخصیت کے قیام کے لیے جس کے وہ سخت دشمن تھے؟ اور کس کو دیں؟ اُن کو جو متعصب مسلمان مولویوں کی متعدی سپاہ کہلاتے ہیں۔ جن کو یونانی روزِ ازل سے اپنا مخالف جانتے ہیں؟۔ بہرحال اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ عبدالحمید خان کا ہاتھ اس فساد میں نہیں تھا تاہم اس سے تو ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ اُن کے قدیم حاشیہ نشینوں نے شاہی نوازشات کے حصول کی امید میں اپنے ناجائز منافع کے کم ہو جانے پر یہ آگ سلگائی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ بغیر کسی زبردست پوشیدہ ہاتھ کے اس قدر کثیر لشکر صرف کسی سارجنٹ کے احکام پر اس طرح اپنے وزراء سے برسرِ پرخاش ہو جائے اور اُن پر حملہ کر سکے۔ غرض جو کچھ بھی ہو فوج انقلاب میں کامیاب ہو گئی مگر آٹھ دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ ہزار ہا ترکوں کا لشکر سالونیکا سے حیرت انگیز مستعدی و عجلت کے ساتھ قسطنطنیہ کے گرد و نواح میں پہنچ گیا۔ اور تین ہی دن میں پایہ تخت کے کثیر حصہ لشکر کو ملا کر باستثنائے سرائے یلدز و سلیمانیہ کُل قسطنطنیہ پر قابض ہو گیا اور اپنے تمام مخالفوں کو گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں دو دن کے بعد یعنی آغازِ انقلاب سے دو ہفتے کے اندر سلطان محمد رشاد ۳۳ سالہ قید سے نکل کر فرمانروائے مملکتِ عثمانی بن گئے اور عبدالحمید خان کو چار ایسے آدمیوں کی زبانی جن میں تین آزادی و حریت کے استحصال کی خاطر اُن کے اور اُن کے وزرائے سابق کے ظلم و ستم کا شکار بن چکے تھے حکمِ معزولی سننا پڑا اور اس کے بعد سلونیکا کو صرف دو بیٹوں اور نا کتخدا لڑکیوں اور بیویوں کے ساتھ اُسی طرح نظربندِ سلطانی ہونے کے لیے جانا پڑا جس طرح اب تک وہ اپنے بھائیوں اور بھتیجوں کو رکھتے آئے تھے

ان فی ذلک عبرۃ لمن اعتبر۔

عبدالحمید خان کے ہندوستانی ہواخواہوں کا یہ خیال ہے کہ ینگ ٹرکش پارٹی کے لیے یہی مناسب تھا کہ وہ اُن کو بدستور خلیفۃ المسلمین بنا رکھتی۔ لیکن ذرا بھی غور و تامل سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ ینگ ٹرکش پارٹی کو روز روشن کی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ باوجود اس کے کہ آزادی اور حریت کا چرچا ابھی زوروں پر ہے۔ پارلیمنٹ اجلاس کر رہی ہے اور اُس میں اُس کی پارٹی کا پلہ بھاری ہے اُسی کے ہم نوا وزارت اور اعلیٰ ترین خدمتوں پر مامور ہیں پھر بھی اُس کے لیڈر لطائف الحیل سے دور دراز ممالک میں متعین کر دیے جاتے ہیں۔ فوج صرف سارجنٹ میجر کے زیر کمان ایسا فساد برپا کرتی ہے کہ اُس کی پارٹی میں رہنے والے وزرا اور اعلیٰ افسر مقتول، مجروح، مقید کر دیے جاتے ہیں یا مفرور ہو کر جان بچانے کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں ینگ ٹرکش پارٹی کے پاس کیا ضمانت تھی کہ جب پارلیمنٹ کے اجلاس ختم ہو جائیں۔ وزرا پایہ تخت کے گرد و نواح میں خاموشی سے کام کرتے ہوں۔ دستور کا چرچا کسی قدر پرانا ہو گیا ہو تو غفلت سے فائدہ اُٹھا کر، عبدالحمید خان کی حمایت کے بھروسہ پر حریت کا اُسی طرح خاتمہ نہ کر دیا جائیگا جس طرح آج سے ۳۳ سال پیشتر کیا گیا تھا۔ دوسری جانب عبدالحمید خان سے ناممکن تھا کہ ایسے وزرا اور افسروں اور فوج پر بھروسہ کرتے جنہوں نے کھلم کھلا اُن سے لڑائی کی اور جن کے رحم پر اُن کی اور اُن کے خاندان کی جان سلامت رہی۔ ایسی حالت میں بجز سلطان گردی کے اور کوئی علاج نہ تھا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ہمیشہ آزادی کی مزاحمت کرنے والے فرمانرواؤں اُن کے خاندان والوں، اُن کے حامیوں کا انجام آزادی کی فتح پر بخیر نہیں ہوا ہے۔ ینگ ٹرکش پارٹی نے جس طرح کھوئی ہوئی دولت کو حاصل کر لیا

بے نظیر مستعدی کا اظہار کیا۔ اُسی طرح اُس نے صرف خطا واروں کو سزا دینے اور عبدالحمید اور اُن کے خاندان سے نیک سلوک برتنے میں اپنی فیاضی سے نام پیدا کیا۔ اس موقع پر بلاشبہ عبدالحمید خان کی اُس امن پسندی کا بھی اعتراف کرنا چاہیے جس سے خونریزی بہت جلد ختم ہوگئی۔

عزل حمیدی کے ساتھ ہی اُن کی دولت کو گورنمنٹ کے خزانے میں داخل کرنے اور کورٹ مارشل کے ذریعہ سے سنگین سزاؤں کے دینے پر بھی ینگ ٹرک عبدالحمید کے ہندوستانی ہواخواہوں کی بدولت نشانۂ سہام ملامت بن رہے ہیں۔ لیکن انصاف اور بصیرت کی نگاہوں میں یہ افعال جائز نظر آتے ہیں۔ تمام دنیا کے فرمانرواؤں کا مال و منال اُن کی گورنمنٹ کی ملکیت میں داخل ہے اور ایک فرمانروا کے عزل و مرگ پر اُس کے جانشین کے قبضہ میں آتا ہے۔ عبدالحمید خان کی جو کچھ آمدنی اور دولت تھی۔ وہ سلطنت اور رعایا کی تھی جو اُن کو فرمانروائی کے معاوضہ میں دی گئی تھی جب وہ سلطنت کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیے گئے تو پھر کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ اُن فراواں خزاین سے بلا معاوضہ متمتع ہوں۔ جو قوم کا مال تھی۔ خاصکر ایسی حالت میں جب کہ عبدالحمید خان کے طرز حکمرانی سے خرچ کا پلہ آمدنی سے بڑھ گیا ہو اور اصلاحات افواج بر و بحر، نظم و نسق، اور امور رفاہ عام کے لیے روپیہ کی شدید تر ضرورت ہو۔ روپیہ لے کر ترکوں کی نئی گورنمنٹ نے عبدالحمید خان اور اُن کی فیملی کو مفلس و محتاج نہیں بنا دیا۔ عبدالحمید خان اور اُن کے اُن بچوں کو جو سلونیکا میں موجود ہیں قریب قریب ڈھائی ہزار پونڈ (۳۷ ہزار روپیہ کلدار) ماہوار گزارے کے لیے منظور کیے گئے ہیں۔ اور یہ موجودہ حیثیت میں زندگی بسر کرنے کے لیے کافی و وافی ہیں۔ اس وظیفہ کے ماسوا جو اولاد دارالخلافہ میں ہے اُس کے لیے بھی بیش قرار ماہوار مقرر کر دی گئی ہے۔ اب رہیں وہ سزائیں جو مخالفان دستور کو دی جارہی ہیں

اُن کے متعلق معترضین کسی ملک یا قوم یا مذہب کا کوئی ایسا قانون پیش کر سکتے ہیں جس میں قاتلوں، باغیوں، غداروں کی سزا قتل یا شدید ترین سزا نہ ہو۔ قسطنطنیہ کی نئی گورنمنٹ باضابطہ فوجی عدالتوں کے ذریعے اُن مجرموں کو سزا دے رہی ہے جنہوں نے ۱۳۔اپریل کو ہنگامہ و غدر برپا کیا تھا اور سینکڑوں بے گناہوں کی جانیں لی تھیں یا دوسری قسم کے سنگین جرائم اور بدمعاشیوں کے مرتکب ہوئے تھے۔ باوجود فاتح قوت کے قبضہ میں آ جانے کے ساتھ ساتھ تمام مقابلہ کرنے والی فوج اور تمام اُن قومی و ملکی قیدیوں کو جن کا سازش میں گمان تھا جنگی قواعد کے لحاظ سے نظر بندی میں لے لیا جو سزائیں کورٹ مارشل کے ذریعہ دی گئی ہیں اُن کو بعض ہندوستانی بدخواہان حمیدی نہایت ہیبت ناک شکل میں پبلک کے سامنے پیش کر رہے ہیں لیکن جن لوگوں نے اُن اخباروں کو بالاستیعاب پڑھا ہے جو اورینٹ لینڈ میں ہر ہفتے وصول ہوتے ہیں بخوبی جانتے ہیں کہ سزاؤں میں ممکن حد تک رعایت کی گئی ہے۔ ہزاروں سپاہی آئندہ نیک چلن رہنے کے حلف پر رہا کر دیے گئے جن لوگوں کی صریح شرکت ۱۳۔اپریل کے ہنگامے میں ثابت ہوگئی اور جنہوں نے خود خونریزی میں حصہ لیا تھا بمقتضائے "**فی القصاص حیوۃ**" وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچائے گئے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بمشکل ڈیڑھ دو سو ہوگی۔ باقی تعداد مناسبت سے کم درجے کے مجرموں کو حبس و جلا وطنی کی سزا مختلف میعاد کے لیے دی گئی یا جائداد ضبط کی گئی۔ دنیا کے کسی کانسٹیٹیوشنل ملک کی تاریخ میں کوئی مثال ایسی نہیں ملیگی جہاں مخالفانِ حریت کو حریت کی فیروزی پر اس قدر کم سزائیں دی گئی ہوں۔ بدکردار علما و مشائخین و وزرا و معتمدین کو جو سزائیں دی گئی ہیں وہ بھی قابلِ استعجاب نہیں۔ جس طرح ہندوستان کے مولوی و مشایخ علم و تقدس کے پردے میں جامۂ تہذیب کو

پیچتے ہوئے ہیں۔ دیسی ریاستوں کے امرا و حکام اپنی قابلیت ولیاقت کے ساتھ سازشیں کرتے اور ریاستوں کو تباہی میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح کے مولوی، مشایخ، وزرا، حکام، قسطنطنیہ میں بھی موجود ہیں۔ اوران ہی بزرگواروں نے دورِ استبداد کو قائم رکھا تھا۔ چنانچہ ابو الہدیٰ جو مرشدِ سلطان تھا اُس کے گھر سے چار لاکھ روپیہ نکلا اور اسی طرح تحسین، احمد، راتب، راغب وغیرہ کے پاس سے لاکھوں روپیہ برآمد ہوا۔ اور بہت سی سازشیں ظاہر ہوئیں اور اسی بنا پر خود عبدالحمید خان کے خلع سے اکثر ایسے حضرات گرفتار اور زیرِ تحقیقات تھے۔ اب عدالتہائے فوجی نے ایسے بدمعاشوں کو بعد ضبطی جائداد جلاوطن کر دیا ہے۔ اور یہ بالکل بجا ہے۔ لیکن نئی ٹرکش گورنمنٹ کے معترضین اُن سلوکوں کو بھول جاتے ہیں جو ایماندار عہدہ داروں اور وزرا کے ساتھ کیے گئے ہیں۔ توفیق پاشا وزیر خارجہ، طرہان پاشا وزیر اوقاف، احمد مختار پاشا امیرل کمشنر مصر وغیرہ جو عبدالحمید خان کے عہد میں اپنی لیاقت و وفاداری قوم پرستی کے لیے مشہور تھے اور اعلیٰ ترین ذمہ داریوں کو کامیابی سے انجام دے رہے تھے۔ وہ اب بھی سفارت وغیرہ کے جیسے ذمہ دار عہدوں پہ مامور ہیں۔ مجرموں کی سزاؤں کو ظلم خیال کرنا اور نکوکاروں کی قدردانیوں اور عمدہ سلوکوں کو ظاہر نہ کرنا منصف مزاجی اور شانِ اڈیٹری کے لیے سنگین عیب ہے۔

سلطان محمد خامس کے متعلق بہت سی بیہودہ باتیں مشہور ہونے لگی ہیں۔ ترکی فرمانرواؤں کے اُس ناپاک رواج کے کارن کہ ولی عہد اور دوسرے شہزادے عزتِ اسیرِ سلطانی کی طرح دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھے جائیں جس پر عبدالعزیز خان اور عبدالحمید خان نے سخت تعصب، تشدد اور اصرار کے ساتھ عمل کیا۔ اور جو خوشی کی بات ہے کہ دستور کی برکت سے اب نیست و نابود ہو گیا ہے۔ ترکی ولیعہد سلطنت

وملکداری کے لیے بجز شاذ حالتوں کے جب کہ فطرتاً زبردست اور حکومت کرنے والا دماغ لے کر آتا ہے عموماً نالائق امراء وزرا کے بھروسے پر سلطنت چلانے والا ہوتا ہے۔ نیز دنیا کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس دل ودماغ کا شخص ہے۔ اس لحاظ سے سلطان محمد کے متعلق ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے اگر بالفرض سلطان محمد خامس بہ تقاضائے عمر وجبس دوام عبدالحمید خان کر کر دماغ والے نہ ہوں تو اس سے چنداں ہرج نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹ کے فرمانروا کا کام صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک سے محبت رکھے رعایا سے مل جل کر ان کی وفاداری، عقیدت اور ہمدردی حاصل کرے رسمی تقاریب کو انجام دے۔ اپنی گورنمنٹ کے لیے ممالک غیر کے فرمانرواؤں اور جلیل المرتبت افراد کی دوستی پیدا کرے۔ باقی تمام ڈپلومیسی اور ملکداری کیبنٹ کے ذمے رہتی ہے۔ سلطان محمد نے اپنے طرز عمل سے دنیا کو بتا دیا کہ وہ کانسٹیٹیوشنل فرمانروا کے فرائض کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ ایسے پبلک مقامات میں جہاں ایک لشکر کا لشکر ساتھ لے کر جاتے ہوئے سلطان عبدالحمید خان کا زہرہ گداز ہوتا تھا۔ صرف ایک اردلی کے ہمراہ بلا تامل پہنچتے ہیں۔ رعایا کے ڈپیوٹیشنوں سے ملتے ہیں۔ ممالک غیر کے سفرا سے اخلاق برتتے ہیں اپنی سلطنت کا دورہ کرنے والے ہیں۔ کانسٹیٹیوشن کے قیام کا حلف اٹھا چکے ہیں شاہی اخراجات میں اپنی خوشی سے بہت بڑی تخفیف کر چکے ہیں۔ ملک کی صنعتی وتجارتی تحریکوں کی سرپرستی کر رہے ہیں۔

اب رہی کیبنٹ اس میں حسین حلمی اور سابق صدر اعظم فرید پاشا کی شرکت ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ اس انقلاب کا انجام بخیر ہوگا چنانچہ ابھی سے کیبنٹ کی دانشمندی کا ثبوت ملنے لگا ہے۔ کیبنٹ اخراجات میں کفایت شعاری کر رہی ہے۔ تخفیف مصارف میں بہت کچھ کامیاب ہو چکی ہے ملک میں امن وامان قائم کر چکی ہے۔ بجز خطاکاروں کے کسی سے تعرض نہیں کرتی

پارلیمنٹ اور ملک کا اعتماد حاصل کر چکی ہے۔ شورشوں اور بغاوتوں کو تیزی سے فرو کر رہی ہے۔ سلطنت عثمانیہ کو پارلیمنٹ کی بدولت جو برکتیں حاصل ہوئی ہیں۔ ان کے منجملہ وہ مالی فواید جو خصوصیت کے ساتھ ذکر کیے جاسکتے ہیں۔ یہ ہیں۔ شاہی سیول لسٹ میں معتد بہ کمی۔ اخراجات میں تخفیف۔ یورپ کے بنکوں اور قصر یلدز میں بیکار پڑی ہوئی کثیر دولت کا کام پر لگایا جانا۔ بلگیریا و آسٹریا کا ہرجانہ قرار معاوضہ یقین ہے کہ قومی خزانے کو ان چیزوں سے کافی مدد ملیگی اور امید کی جاسکتی ہے کہ موجودہ مالی مشکلات بہت کچھ رفع ہوجائینگی۔

ترکی کا یہ انقلاب سلطان گردی کی پہلی مثال نہیں ہے بلکہ اس سے بھی نازک تر حالات میں سلاطین معزول کیے گئے ہیں۔ باوجود اس کے اب بھی سلطنت عثمانی موجود ہے۔ خود عبدالحمید کے جلوس کے وقت دنیا کو ان پر اس قسم کا اطمینان کب تھا کہ وہ مشکلات کو سلجھا سکینگے لیکن ۳۳ سال تک انھوں نے حکومت کی۔ صرف ان میں یہی عیب تھا کہ آزادی کے مخالف تھے علیٰ ہذا القیاس نئے سلطان کے جلوس پر جو کانسٹیٹیوشنل فرمانروا کے فرایض بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ باوجود زبردست کیبنٹ اور محب وطن پارلیمنٹ کی موجودگی کے یہ خیال خام پکانے کی کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے تمام کانسٹیٹیوشنل گورنمنٹوں کے برخلاف ترکوں کو کانسٹیٹیوشن سے فائدہ نہ پہنچیگا اور نقصان ہی نقصان ہوگا۔

عبدالحمید خان کے ہندوستانی مسلمان بہی خواہ جن کی آنکھوں پر محبت کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کو جہاں مختلف المذاہب و مختلف الاقوام باشندے بکثرت رہتے ہیں۔ جو اب تک حلقۂ اطاعت نکال ڈالنے کے لیے ہر قسم کی ریشہ دوانیاں کرتے رہے ہیں سلف گورنمنٹ عطا کرنی بالکل خلاف مصلحت ہے اور اس سے

اسلامی حکومت پر غیر اقوام کا غلبہ ہوجائیگا۔ اور وہ اُس کو نقصان پہنچا کر رہینگی۔ اس کی تائید میں وہ آشریا اور بلگیریا کی کارروائیوں کو، اور فوج میں غیر قوموں کے داخلہ کو اور ایک عیسائی ممبر کی اُس تقریر کو جو اس نے پارلیمنٹ میں گورنمنٹ کا مذہب اسلام نہ قرار دینے کے متعلق کی تھی پیش کرتے ہیں۔ میں زور کے ساتھ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تخیلات سرتاپا غلط ہیں۔

اس خیال کی بے بنیادی کہ مختلف الاقوام اور مختلف المذاہب باشندوں کے پارلیمنٹ میں موجود ہونے سے سلطنت پر مضر اثر پڑتا ہے خود اُس امر عمل سے بخوبی ثابت ہوجاتی ہے جو دستور کے بعد تمام عثمانی رعایا کا رہا ہے تمام غیر اقوام کی وہ سازشیں جو گورنمنٹ کی مخالفت میں زور شور سے ہورہی تھیں حرف غلط کی طرح مٹ گئیں۔ مسلمان، مسیحی، اسرائیلی سب کے سب اپنی گورنمنٹ اپنے ملک کی محبت میں اور دستور کے احترام میں اسی طرح متحد ہوگئے جیسے کہ کانسٹیٹوشنل ممالک میں ہوا کرتے ہیں۔ مقدونیا تک میں جو فساد کا منبع تھا کسی شورش کا نام نہ رہا۔ اور جب دستور معرض خطر میں آگیا تو تمام قوموں نے یکساں متحدہ طور سے ظاہر کردیا کہ وہ دستور کو چھوڑ نہیں سکتیں انتخابات مبعوثین میں کسی قسم کے تعصب یا بدنیتی سے کام نہیں لیا گیا مسلمان و غیر مسلمان دونوں نے بلا رورعایت ایک دوسرے کے لایق امیدواروں کے لیے ووٹ دیئے۔

اس متحدہ استقبال دستور کے ماسوا خود دستور کی نوعیت پر لحاظ کرتا ضروری ہے تمام دنیا کی سلف گورننگ باڈیز کا تعلق زیادہ تر اُن چیزوں سے رہتا ہے جو کل ملک اور کل رعایا پر یکساں موثر ہوتی ہیں۔ مثلاً قوانین عدالت کا اجرا، ٹکسوں کی کمی زیادتی، بجٹ کی منظوری۔ اوقاف کی نگرانی، تعلیم کی اشاعت، حفظانِ صحت کا انتظام، تجارت و مصنوعات کی ترقی،

استحکام ملک کی تدابیر وغیرہ وغیرہ ان چیزوں میں سب قوموں کا یکساں تعلق، یکساں نفع، یکساں نقصان رہتا ہے کسی قسم کے تعصب یا طرفداری کو مطلق دخل نہیں ہوتا اور نہ ہوسکتا ہے۔ بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ غیر مذاہب کے ممبر تعصب کو دخل دے کر مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے پر مستعد ہو جائینگے تو اس وقت بھی کسی اندیشہ کا محل نہیں کیونکہ سلطان ٹرکی کی رعایا میں حصۂ غالب مسلمانوں کا ہی ہے۔ اس مناسبت سے اُن کے ممبر بھی زیادہ ہونگے وہ ایسے پاگل نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں کہ اپنے نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ مل کر ووٹ دیں۔ علاوہ ازیں گو غیر اقوام کے مجموعی ممبروں کی مجموعی تعداد معتدبہ ہے۔ لیکن مسیحیوں اور اسرائیلیوں کے جدا جدا اغراض ہیں۔ پھر مسیحیوں میں گریک، رومن، پراٹسٹنٹ ارمن چرچ وغیرہ بھی ہیں اور اِن سب کی جدا جدا جماعتیں پارلیمنٹ میں ہیں۔ اسی طرح اسرائیلیوں کے مختلف طبقے ہیں۔ نظر برآں ہر ہر فرقے کے ممبروں کی پارٹی جداگانہ ہوگی۔ اور کسی طرح وہ مسلمان ممبروں کا مقابلہ نہ کرسکیگی۔ دنیا کے دوسرے کانسٹیٹوشنل ممالک میں بھی اسی طرح رعایا کے مختلف الاقوام، مختلف المذاہب ممبر پارلیمنٹوں میں آتے ہیں لیکن سلطنت کے ہم مذہب ممبروں کے سوا کسی اور پارٹی کی طاقت نہیں ہوتی کہ اپنے اغراض و مطالبات کو پورا پورا منوا لے۔ مثلاً انگلستان کو لیجیے۔ اس کی پارلیمنٹ میں عیسائی، اسرائیلی دونوں مذہب کے ممبر منتخب ہوتے ہیں۔ زردشتی بھی دو مرتبہ اس اعزاز کو حاصل کرچکے ہیں اسرائیلیوں کو چھوڑ کر خود مسیحی ممبر ایک فرقے یا ایک طبقے کے نہیں ہیں بلکہ مختلف فرقوں، مختلف طبقوں، مختلف پارٹیوں کے ممبر منتخب ہوتے ہیں ہر ایک کے اغراض جداگانہ ہیں۔ پراٹسٹنٹ، رومن کیتھلک، آئرش، انگلش، مزدوری پیشہ، تجارت پیشہ، امرا، عوام سب ہی شریک ہیں۔

اور ان میں سخت اختلاف مخالفت کی حد تک موجود ہے۔ باوجود اس کے ممالک برطانیہ کی پارلیمنٹ صدیوں سے کامیابی کے ساتھ کام کر رہی ہے اور کبھی ایسے احکام و قوانین نافذ نہیں ہوتے جو کسی ایک طبقہ کو ضرر پہنچائیں۔ برطانی پارلیمنٹ کے علاوہ برٹش انڈیا میں بھی ایک عرصہ سے سلف گورنمنٹ کا ایک حصہ لوکل میونسپل بورڈس اور لیجس لیٹیو کونسلوں کی حیثیت میں موجود ہے اور اُن کی توسیع عنقریب ہونی والی ہے۔ ہندوستان میں مملکت عثمانیہ سے زیادہ مختلف قومیں اور مذاہب موجود ہیں۔ ان میں ذاتی اغراض و مصالح کے علاوہ متعصب اور تنگ نظر لیڈروں کی بدولت اختلاف، مخالفت کی صورت میں موجود ہے اور آج کل بھی ان ہی بزرگواروں کی بدولت صفحۂ قرطاس پر جنگ چل رہی ہے۔ باوجود اس کے اگر کاغذی حملوں، لفاظیوں، فصاحت و بلاغت کو چھوڑ کر سلف گورننگ باڈیز کے کاموں کو جو آج تک انجام پائے ہیں دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ در حقیقت اُن کو صرف ایسے اُمور سے تعلق رہا ہے اور رہیگا جو کُل ہندوستان کے مذاہب و اقوام کے مصالح سے متعلق ہیں۔ اور ان سلف گورننگ باڈیز کے منتخب ممبر بلا استثنائے احدے بلا لحاظ مذہب و ملت روشن ضمیری اور وفاداری کے ساتھ اُن میں ملک کی خدمت کرتے رہے اور کرتے ہیں اور یقیناً کرتے رہینگے۔ اگر ہندو مسلمانوں کے عملاً مابہ اختلاف اُمور ڈھونڈے جائیں۔ تو مشکل سے صرف گورنمنٹ کی قربانگاہ ملیگی جس کی زمین بوسی کی تمنا میں دونوں متحد نظر آتے ہیں اور ہندو بلحاظ کثرتِ آبادی و تعلیم حق پر بازی لے جاتے ہیں۔ اس کے سوا کبھی کبھی گاؤ کشی وغیرہ پر جہلا سے کسی اشتعال طبع کے باعث لڑ پڑتے ہیں۔ سلطنت عثمانیہ میں غیر مسلمان رعایا کی سازش گورنمنٹ کے برخلاف، صرف اسی حکومتِ قہری اور مظالم حکامِ ترکی کے علی الرغم ہوتی تھی

اصلی مابہ الاختلاف امور رفع ہو جائیں تو کسی اندیشے کا محل حکومت خود اختیاری اور حریت کی بدولت نہیں ہے۔

آسٹریا کے ساتھ بوسینیا، ہرزی گونیا کے دوامی الحاق اور بلگیریا کی خود مختاری پر ینگ ٹرکش پارٹی کو مطعون کرنا بالکل ناحق شناسی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت اس سے سلطنت عثمانیہ کا فائدہ ہوا ہے۔ صوبجات بوسینیا، ہرزی گونیا و بلگیریا کی علیحدگی کی اصلی ذمہ دار سلطان عبدالعزیز خان کی غفلت و عیاشی، سلطان عبدالحمید خان کی حد سے زیادہ احتیاط، وزرا اور جنرلوں کی رشوت ستانی ہے۔ یہ صوبے آج سے ۳۳ سال پیشتر خود عبدالحمید خان کے حکم سے علیحدہ ہو چکے ہیں عبدالحمید خان ان کو واپس لینا تو درکنار وہ مالی معاوضات تک حاصل نہ کر سکتے تھے جو ازروئے عہدنامہ برلن ٹرکش گورنمنٹ کو آسٹرین و بلگیرین گورنمنٹوں سے واجب الوصول تھے۔ آج اگر ٹرکش پارلیمنٹ اور ینگ ٹرکش پارٹی کی بدولت صرف الفاظ کی خفیف تبدیلی سے عثمانی گورنمنٹ کو کثیر معاوضہ اور کچھ حصہ ملک واپس ملا۔ کئی کیا پی چولیشن مسترد ہوئے۔ کئی نئی رعایات ان ممالک میں اس کو حاصل ہوئیں تو کیا برا ہوا۔ اس نقصان کے مقابل جو الفاظ کی تبدیلیوں سے ہوا ہے یہ کیا کم فائدہ ہے کہ مقدونیہ کے فساد فرو ہو گئے۔ اس کے انسداد کے گراں تر مصارف سے سبکدوشی ملی۔ یورپین گورنمنٹوں کے مطالبات جو مقدونیہ کو مثل کریٹ خود مختار کرنے کے لیے شد و مد سے ہو رہے تھے ملتوی رہ گئے۔

بلگیریا کے ساتھ نیا عہدنامہ کرنے میں سلطان عبدالحمید کی عجلت قابل ملامت ہے۔ عہدنامے پر دستخط ایسے زمانے میں ہوئے ہیں جب کہ انقلاب پسند لشکر پایہ تخت کے گرد و نواح میں جمع ہو چکا تھا اور عبدالحمید خان نے بلگیرین و جرمن گورنمنٹوں کو خوش کرنے کے لیے فوراً عہدنامہ پر

دستخط کر دئیے۔ اگر کچھ دن تامل کیا جاتا اور پارلیمنٹ سے بھی مشورہ لیا جاتا تو یہ ممکن تھا کہ حالات کی تبدیلیوں کی وجہ سے زیادہ مفید شرائط پر معاہدہ کا استقرار ہوتا۔ اب مسئلہ کریٹ تصفیہ طلب رہا ہے اُس کی نسبت امید ہے کہ گورنمنٹ عثمانیہ کے اعزاز اور حقوق کے مناسب اُس کا تصفیہ ہوگا۔ کیونکہ خود ترکش کیبنٹ کے فارن منسٹر نے علی الاعلان ظاہر کردیا ہے کہ یونان کی ساتھ کریٹ کے الحاق پر گورنمنٹ عثمانیہ راضی نہیں۔ اور وہ اپنے حقوق کی حفاظت کرےگی تاہم اگر بلگیریا، بوسینیا ہرزی گوینا کی طرح اُس کا بھی فیصلہ ہوجائے تو اُس کی ذمہ داری بھی عبدالحمید خاں پر ہے جنہوں نے تقریباً دس سال پیشتر عملاً اپنی کمزور پالیسی سے اُس کو عثمانی گورنمنٹ سے علیحدہ کردیا تھا علاوہ بریں کریٹ سے دول یورپ کی فوجوں کو واپس بلا لینے کا اعلان منعقدہ دستور کے چرچے سے پیشتر دورِ استبداد میں ہو چکا تھا۔

دو چار ممبران پارلیمنٹ کا یہ خیال ظاہر کرنا کہ گورنمنٹ کا کوئی مذہب نہ ہو اُس وقت تک ناقابل بحث ہے جب تک پوری تقریر مع نتیجہ کے ہندوستانی پبلک کے پیش نظر نہ ہو جائے ممکن ہے کہ ممبروں کی تقریر کا یہ مدعا ہو کہ گورنمنٹ عثمانی مثل دیگر ممالک کے اپنی کل رعایا سے یکساں التفات کرے اور اُس میں وہ کسی مذہب کی پابند نہ ہو جو در حقیقت سلطنت عثمانیہ کا طرزِ عمل ہے۔ لیکن اگر اُن کا مطلب یہ ہو کہ وہ لا مذہب گورنمنٹ سمجھی جائے تو اُن کی تحریک تا وقتیکہ پارلیمنٹ مسلمانوں کی معدوم نہ ہو جائے ناقابل اعتنا ہے۔ انگلستان، فرانس وغیرہ کی پارلیمنٹوں میں بھی بڑے زور سے بحث ہوتی رہتی ہے کہ گورنمنٹ کو ملی ہو جانا چاہیے اور کسی قسم کی مذہبی امداد یا کوئی مذہبی سرپرستی گورنمنٹ کو نہ کرنی چاہیے لیکن کبھی یہ تحریک منظور نہیں ہوئی تو پھر عثمانی پارلیمنٹ میں جہاں بفضل خدا مسلمانوں کی کافی تعداد موجود ہے اور موجود رہیگی ایسا منصوبہ کیونکر پورا ہو سکتا ہے؟

ان سب کے ماسوا مملکت عثمانیہ میں ٹرکش گورنمنٹ اپنی رعایا کے ساتھ ایک قسم کا برتاؤ برتتی ہے اور سب کے ساتھ رعایات کرتی ہے۔ اگر قانون میں بھی اس عمل کا تذکرہ کیا جاے تو کیا ہرج ہوسکتا ہے۔

یہ الزام کہ فوج میں غیر مسلمانوں کا داخلہ جائز قرار دیا جاے کوئی الزام نہیں بلکہ درحقیقت ایک مبارک ارادہ ہے جس سے بجز فائدہ کے نقصان نہیں ہوسکتا۔ اب تک مملکت عثمانی میں سیول عہدے بلا امتیاز قوم قابلیت ولیاقت ورسوخ کی بنا پر بلا تعصب دیے جاتے ہیں لیکن کل فوج میں باستثنا جرمن حلبین صرف مسلمان ہی شریک ہیں غیر اقوام اس خدمت سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلمانان ترک کے حصۂ غالب کی وجہ معیشت کا انحصار ملازمت سرکاری پر ہے اور غیر قوموں نے تجارت وصنعت پر اپنا قبضہ کر لیا ہے۔ لیکن اس تجویز کا یہ نتیجہ ہوگا کہ ترکوں کو اور دوسری مسلمان رعایا کو زندگی بسر کرنے کے واسطے مجبوراً تجارت، صنعت وحرفت کے میدانوں میں بھی قدم رکھنا پڑیگا۔ وہ یہاں ان لوگوں کی جگہ لینگے جو ملٹری سروس میں داخل ہوچکے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمان وغیر مسلمان دونوں کی وجہ معیشت کے پلڑے مساوی ہو جائینگے۔ یہ خیال بے بنیاد ہے کہ غیر مسلم ہتھیار پاکر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑینگے کیونکہ سلطنت عثمانی کا غیر مسلم عنصر بزدل قوموں کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ جنگجو عنصر ہے جس کے پاس اعلیٰ سے اعلیٰ ہتھیار موجود ہیں اور وہ ان کا استعمال اچھی طرح جانتا ہے۔ گورنمنٹ کی اس پر نگرانی نہ رہنے کی وجہ سے وہ بے سر تھا اور فتنہ وفساد مچا تا رہتا تھا۔ اب ملٹری سروس میں شریک ہونے سے وہ ڈسپلن کے تابع ہوجائیگا۔ گورنمنٹ اور مسلمانوں کی نگرانی پوری طرح رہیگی۔ جب ہندوستان میں ۶۵ ہزار گورے تگنی تعداد کی ہندوستانی فوج پولیس امپریل سروس ٹروپس اور ۳۰ کروڑ ہندوستانیوں پر حکمران ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ترک تھوڑے سے غیر مسلمان لشکر پر اپنا قابو نہ رکھ سکیں۔

سلطنت عثمانیہ کے انقلابات پر بحث ختم کرنے سے پہلے اس امر کا لکھنا ضروری ہے کہ جمہوری حکومت اور حریت کوئی زمانۂ حال کی یورپین پیداوار نہیں ہے بلکہ زمانۂ قدیم سے موجود ہے۔ خود اسلام نے شد و مد سے جمہوریت و حریت کی تعلیم دی ہے۔ آنحضرت سرور کائنات اور خلفائے راشدین کا دور حریت و جمہوریت کا دور رہا ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں مقامی امور کے بارہ میں اس مقام کی غیر مسلم رعایا سے بھی مشورہ لیا جاتا تھا۔ گویا یہ لوکل سلف گورنمنٹ تھی۔ پھر شخصی اور استبدادی دور دورہ ہوگیا۔ لیکن چند جابر و ظالم حکمرانوں کے سوا عموماً تمام مسلمان فرمانروا، علما، امرا، سپہ سالاروں سے انتظام مملکت میں مشورہ لیتے تھے۔ اور مقامی امور میں مقامی سربرآوردہ عایا سے بھی وقتاً فوقتاً رائے طلب کی جاتی تھی۔ ہر ایک رعیت کو شاہی دربار میں استغاثے کا حق تھا۔ غرض اسلامی لحاظ سے بھی پارلیمنٹ اور حریت کوئی ممنوع چیزیں نہیں ہیں۔

جس تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہ غالباً اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ انقلاب خوش آیند ہے اگرچہ قانون فطرت کے لحاظ سے سلطنت عثمانیہ دوبارہ عالم میں نہیں آسکتی اور نہ وہ ایک وقت تباہ اور فنا ہونے سے بچ سکتی ہے لیکن اب بلحاظ اس کے کہ رعایا کے اختلافات مٹ چکے ہیں اور تیزی سے مٹائے جارہے ہیں۔ دستور پسند فرمانروا، زبردست محب وطن کیبنٹ و پارلیمنٹ ملک پر حکمران ہے۔ یورپین گورنمنٹوں کے مصالح کے لیے یہ ضروری ہے کہ سلطنت عثمانیہ خاصکر قسطنطنیہ پر اسلامی قبضہ بدستور رہے۔ کل مسلمانوں کو امید کرنا چاہیے کہ بفضل خدا اس انقلاب سے عثمانی سلطنت قبل از قبل تباہ اور فنا ہو جانے سے بچ گئی ہے۔

اب مملکت عثمانیہ کو چھوڑ کر ان دوسرے ممالک اسلام پر مختصراً نظر ڈالی جاتی ہے جہاں ہل چل ہو چکی ہے یا ہو رہی ہے۔

مراکش کی قدیم اسلامی حکومت جہاں پرانا سلطان معزول اور نیا جانشین ہوا ہے بلحاظ اس کے کہ وہاں مغربی تعلیم کچھ بھی نہیں ہے۔ مغربی تمدن، مغربی سائنس سے سطحی واقفیت بھی نہیں ہے۔ جہاں اسلامی سلطنت صدیوں سے قائم ہے اور روز بروز ردی حالت میں پہنچ رہی ہے۔ جہاں کے باشندے جاہل ہیں اور جہاں یورپین گورنمنٹوں کے دندان آز تیز ہو چکے ہیں اور جہاں سے کوئی ترقی کی علامت نظر نہیں آتی۔ اب بمقتضائے قانون قدرت زوال پذیر ہو چکی ہے اور یقیناً بہت جلد مثل بخارا، خیوا، ٹونس اور والیان ریاست ہند کے فرنچ گورنمنٹ کے زیر اثر ایک زمینداری کی حیثیت میں آجائیگی۔ گو ہم سب کو اس کا رنج ہے لیکن یہ سمجھنا چاہیے "کہ نتواں کرد با تقدیر پیکار،،

ایران کی حالت پھر کچھ کچھ اصلاح پذیر نظر آتی ہے۔ پارلیمنٹ از سر نو طلب ہوئی ہے۔ اگر اس کا قدم جم جائے تو بلحاظ اس کے کہ سلطنت قاچاریہ کی عمر ابھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی ہے کسی ایک یورپ کی گورنمنٹ کا قبضہ دوسری گورنمنٹوں کے مصالح کے مخالف ہے۔ بہت سے محب وطن ایرانی ملک کی غمخواری کرنے لگے ہیں۔ یورپین ممالک کے حالات سے وقفیت ہے دنیا کی تجارت میں ایرانی بھی کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے ہیں۔ یہ ناممکن نہیں کہ ایران کی سلطنت فنا نہ ہو اور مثل اُن یورپین گورنمنٹوں کے جو بہار ترقی دیکھکر اب سکون کے ساتھ سلطنت چلا رہی ہیں۔ ایران میں بھی قاچاری حکومت زیادہ عرصہ تک باقی رہے۔ لیکن اگر پارلیمنٹ کا قیام نہ ہو سکا تو یہ سلطنت بھی کسی زبردست یورپین طاقت کے زیر حمایت آجائیگی۔

مصر اور باقی ماندہ اسلامی دنیا کی جو حرکتیں آزادی یا ترقی کے لیے ہیں وہ ابھی ناقابل اعتنا ہیں۔ میں اس کے متعلق تفصیل سے پان اسلام ازم کے مضمون میں بحث کر چکا ہوں۔

ہندوستان میں مسلم لیگ کے معدودے چند ممبر ہندؤوں کے خلاف بالکل بیجا اور متعصبانہ ناروا مخالفت کرتے نظر آرہے ہیں میں ان تمام لیڈروں کے متعلق جو اس آرگنائزیشن میں حصہ لے رہے ہیں یہ خیال کرتا ہوں کہ ان میں سے اکثر اپنے ذاتی اغراض کے حصول کے لیے دانا دشمنوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر شور مچاتے ہیں اور بعض نیک نیتی سے اپنے غلط مزعومات کی بنا پر اس کے مؤید بن گئے ہیں۔

میں نے اپنے مضمون میں اوپر بتایا ہے کہ درحقیقت کوئی مابہ الاختلاف امر ہندو اور مسلمانوں میں بجز کشمکش ملازمت کے نہیں ہے۔ لیکن مسلمان حصول ملازمت سے اور کونسل یا میونسپل بورڈوں میں زاید ممبریاں پانے سے کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے تو چاہیئے کہ وہ یونیورسٹی کی ڈگریاں اس قدر کثرت سے حاصل کرنے لگیں کہ ہندؤوں سے بڑھ جائیں۔ اس وقت یقیناً اپنا واجبی حصہ لینگے۔ آج کل مسلمان ڈگری یافتوں کی تعداد ہندؤوں کے مقابل مشکل فی صدی پانچ ہوگی حالانکہ بلحاظ مردم شماری پچیس ہونی چاہیئے تھی باوجود اس کے گورنمنٹ نے اپنی مہربانی سے مسلمانوں کو ملازمت میں ان کی تعلیمی لیاقت سے زیادہ حصہ دیا ہے۔ لیکن اگر اعلیٰ عہدوں یا کسی خاص ڈپارٹمنٹ میں ان کی تعداد کم ہو تو گورنمنٹ قابل الزام نہیں کیونکہ اس کے لیے کوئی وجہ نہیں کہ وہ کسی ایم اے ہندو کے مقابل مسلمان مٹرکیولیٹ کو ترجیح دے۔ بفرض محال اگر مسلمان کونسلوں، میونسپالٹیوں میں زیادہ ممبریاں حاصل کرنے کی، بدولت اپنی پرسنلٹی سے زیادہ ملازمت میں حصہ لے سکینگے۔ اور چند ہزار مسلمان روزی پائینگے تو کیا اس سے لاکھوں بے روزگار اور کروڑوں مفلس مسلمانوں کی ضروریات رفع ہو سکتی ہیں؟ اور کیا میدان ملازمت کے سوا اور ذرایع معاش موجود نہیں ہیں۔ باقی رہا یہ خیال کہ مکسڈ الکٹوریل کالجوں کی بدولت وہ ہندؤوں کے رحم پر زندگی بسر کرنے لگینگے بالکل غلط اور

بے بنیاد خیال ہے کیونکہ سپریم و پراونشل کونسلوں، میونسپل و لوکل فنڈ بورڈوں
کو اُن ہی مسایل سے تعلق رہتا ہے جو کل ہندوستان پر بلا استثنا حاوی ہوں
آج تک کسی کونسل و بورڈ کے کسی ممبر نے کسی اجلاس میں کسی مسئلہ پر
کبھی ایسی رائے نہیں دی ہے جو باشندگان ہندوستان کے لیے مضر ہو۔
ہاں بعض نامزد ممبروں نے نمکحرامی سے گورنمنٹ کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ
تعلیم کی اشاعت اور سلف گورنمنٹ۔ پبلک اور پریس کی آزادی کو روک
دے۔ لیکن ایسے ممبروں سے ہندو مسلمان دونوں نالاں ہیں۔

مسلم لیگ کے لیڈر لفاظی تو بہت کرتے ہیں۔ لیکن ابھی تک انہوں نے
بجز فرضی اوہام کے واقعات سے، اعداد سے، صحیح دلایل سے یہ نہیں
بتایا ہے کہ مکسڈ الکٹوریل کالج میں کیا نقصان ہے۔ اور وہ اب تک کیا
نقصان سلف گورننگ باڈیز کے ہندو ممبروں سے اٹھا چکے ہیں؟ اور کیوں
اُن کی تعداد کے تناسب سے زیادہ ممبریاں اُن کو ملیں۔ البتہ بعض ایسی
مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن میں مسلمان امیدوار کے مقابلے میں ہندو
امیدوار کامیاب ہوگیا۔ لیکن اس کے مقابل ہندو بھی ایسی مثالیں
پیش کرسکتے ہیں جن میں خود ہندوؤں نے مسلمان امیدوار کو ووٹ دیکر
منتخب کرادیا ہے۔ جن میں آنریبل جسٹس سید محمود، آنریبل راجہ علی محمد خان
آنریبل ہمایوں جاہ، آنریبل نواب سید محمد کے نام پیش کیے جاسکتے ہیں
ایسے ممبروں نے سلف گورننگ باڈیز میں اپنے طرز عمل سے یہ ثابت
کردیا ہے کہ وہ بلا لحاظِ مذہب و ملت ہندوستان کی خدمت کرتے ہیں
چند روز پیشتر صوبجاتِ متحدہ میں کونسل کی ممبری کے لیے جو مقابلہ آنریبل
پنڈت مدن موہن مالوی اور مسٹر عبدالمجید بیرسٹر اور آنریبل رائے سری رام
اور آنریبل فیاض علی خاں میں ہوا ہے اور جس میں آنریبل مدن موہن اور
آنریبل سری رام کامیاب ہوئے ہیں اُس پر ہندو مطعون کیے جاتے ہیں

اور کہا جاتا ہے کہ مکسڈ الکٹوریل کالج کے نتیجے اسی طرح ہوا کرینگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پنڈت صاحب اور رائے صاحب ہندوستان کے اُن نامور لیڈروں میں ہیں جو بلا لحاظ مذہب و ملت خدمتِ ملک کو فرض سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر رائے صاحب کے مقابل خود ایک ہندو امیدوار ناکام رہا اور پنڈت صاحب کے مقابل بھی اگر کوئی ہندو رہتا تو یقیناً ناکامیاب ہوتا۔ اور اس کے برخلاف جو مسلمان اُمیدوار تھے اُن میں مسٹر عبدالمجید سے واقفیت شاید صوبجاتِ متحدہ کو ہو تو ہو ورنہ باقی ہندوستان نہ اُن کے نام سے واقف ہے نہ اُن کے پبلک کاموں سے۔ البتہ مسٹر فیاض علی خان کو مسلمانانِ ہندوستان بحیثیت پریسیڈنٹ علی گڑھ کالج جانتے ہیں۔ گو وہ اسم باسمی فیاض امیر ہیں لیکن پبلک کاموں میں آپ کی آزادی کی یہ حالت ہے کہ خود مسلمان آپ کی پریسیڈنٹی کالج سے نالاں ہیں اس حالت میں کیونکر ممکن تھا کہ یہ دونوں مسلمان کامیاب ہو سکتے۔ اسی لیے ہندو درکنار اکثر مسلمانوں نے بھی اپنے ووٹ دونوں ناکامیاب ممبروں کو دیکر انہیں کامیاب کرایا۔

اسی طرح مسٹر رفیع الدین احمد بیرسٹر ہر مقام، ہر ایک اسپیچ ہر ایک مضمون، ہر ایک رزولیوشن میں پونا اور ایک دو بمبئی پریسیڈنسی کی اُن میونسپالٹیوں کے تذکرے کو بڑے زور سے پیش کرتے رہتے ہیں جہاں مسلمان ممبر منتخب نہیں ہو سکے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ ظاہر ہے اُن مقاموں میں مسلمان بہت کم ہیں۔ اور جو ہیں اُن کا حصہ تعلیم میں اور پبلک اسپرٹ میں، بھی کم ہے۔ اس کے برخلاف وہاں پارسی ہندو آبادی کثرت سے ہے۔ جو تعلیم یافتہ ہے۔ ملک کی خدمت کے لیے تن من دھن سے تیار ہے۔ اور ان ہی لوگوں میں آنریبل مسٹر گوکھلے اور اُن کے جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ، ملک کی حالت سے واقف ایثارِ نفس کرنے والے

حضرات موجود ہیں۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایسے بلند پایہ اور عالی مرتبت جگر گوشگان ہند کے مقابل کم تعلیم یافتہ اور پبلک اسپرٹ نہ رکھنے والے مسلمان ممبر میونسپالیٹیوں میں ملک کی حالت سے وکالت کرنے کو انتخاب کیے جا سکیں۔ ان دو تین مقامات کے ماسوا بمبئی پریسیڈنسی میں مسلمان سلف گورننگ باڈیز میں اپنے واجبی حصہ سے زیادہ حصہ رکھتے ہیں ہز اکسلنسی سر جارج ٹرہنم کلارک نے واقعات و اعداد سے اس کے متعلق کافی ثبوت اُس اڈریس کے ثبوت میں پیش کیا ہے جو مسٹر رفیع الدین احمد کی سرکردگی سے ہز اکسلنسی کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔

اگر بمبئی پریسیڈنسی کے چند میونسپالیٹیوں میں مذکورۂ بالا وجوہ سے انتخاب کی یہ حالت ہے تو اس کے جواب میں صوبجات متحدہ کو پیش کر سکتے ہیں جہاں دونوں قوموں کے متحدہ انتخاب سے مسلمان ممبر ہندوؤں کے قریب قریب مساوی تعداد میں موجود ہیں۔ حالانکہ یہاں بلحاظ مردم شماری و تعلیم کے مسلمان اور ہندوؤں میں ایک اور چار کی نسبت ہے۔

ان سب مثالوں کے قطع نظر اگر فرضاً یہ تسلیم کر لیا جائے کہ متحدہ انتخابات میں ہندو پرسلنٹی سے کام لیتے ہیں تب بھی مکسڈ الکٹوریل کالج کے برخلاف کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طریقے میں منتخب شدنی مسلمان و ہندو ممبروں کی تعداد پہلے ہی سے لازمی طور پر مقرر کر دی جائیگی پھر کوئی وجہ شکایت ہی باقی نہیں رہیگی۔

ہندوستان کے گزشتہ فرمانروا ہونے سے مسلمانوں میں جنگی جوش موجود رہنے اور تاج برطانیہ کی حفاظت میں اُن کے سپاہیوں کے شریک ہونے کے عوض خاص رعایات کا طلبگار ہونا کسی طرح اُنہیں زیب نہیں دیتا سکھ، مرہٹے۔ گورکھے بھی اِن ہی دلائل سے خاص

رعایات کے طلبگار ہو سکتے ہیں۔ نیز پارسی یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تاج برطانیہ کی تجارتی خدمات بجا لانے اور متمدن سٹیزن ہونے کی حیثیت سے نیز اپنی قلت تعداد سے خاص مرحمت کے سزاوار ہیں۔ پس ایسی رعائتیں اُس گورنمنٹ کے شایان شان نہیں ہیں جو میزان انصاف میں تمام رعایا کو مساوی حقوق دینا چاہتی ہے۔

افسوس ہے کہ مسلم لیگ کی آواز جس کے پردہ میں دوسرے معشوق کام کر رہے ہیں اور جو مسلمانوں کو ایک غلط راہ پر لیجا رہی ہے اور ہندوستان کی ترقی میں ہندو مسلمانوں کے مابین ایک آگ کی خندق بنا رہی ہے انگلو انڈین اخبارات نے اِس قدر بلندی دے دی ہے کہ وہ اپنے مطالبات میں کچھ نہ کچھ کامیابی حاصل کر لیگی ساتھ ہی آگے چل کر زمانہ بتائیگا کہ ع این رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است - اور معلوم ہو جائیگا کہ ہندوستان میں جب تک ہندو مسلمان اقتصادی و سیاسی اُمور میں متحد نہ ہو جائینگے کبھی رعایا کی حیثیت سے بھی ترقی نہیں کر سکینگے۔

اب صرف ایک اور اسلامی حصہ پر نظر دوڑانی ہے اور وہ سرزمین افغانستان ہے جہاں حال میں ایک سازش ہز مجسٹی سراج الملۃ والدین اور اُن کے جواں بخت جواں سال پرنس کو منزل عدم پہنچانے کی غرض سے کی گئی تھی مگر خوشی کی بات ہے کہ سازش کا مواد پھوٹ نکلنے سے پہلے آسانی سے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔

ابتدائے مضمون میں اجمالاً اصول ارتقا سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام بلحاظ اپنے تبلیغی اور اعلیٰ و اکمل مذہب ہونے کے کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس کی ایک پیرو قوم حضیض تنزل میں بہ تقاضائے اصول فطرت پھنس گئی ہے تو دوسری قوم اُس کی قایم مقام بن کر مذہب کی شوکت و عظمت کا سلسلہ باقی رکھتی ہے۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور رہیگا

پان اسلام ازم کے مضمون میں مَیں نے رجماً بالغیب یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ اسلام کے جاہ و جلال کو ترقی دینے کا سہرا قوم افغان کے سر بندھیگا کیونکہ اب تک اُس نے گلزارِ عالم کی بہار نہیں دیکھی ہے۔ اور اُس کو دیکھنے کے قابل ہو چکی ہے۔ موجودہ سازش سے جو فرمانروائے افغانستان کی جان لینے کے لیے کی گئی اور اُن امور سے جو مضمون مذکور کی تحریر کے بعد واقع ہوئے ہیں اس خیال کو رتبۂ اتقان حاصل ہو گیا۔ تعلیم کی اشاعت روبرترقی ہے۔ اصلاحات جاری ہیں۔ تجارت و حرفت کا میلان بڑھ رہا ہے۔ جہالت کم ہو رہی ہے۔ کل افغانی ایک مذہب و ملت کے پیرو ہیں۔ افغانی شاہزادے بجز ایک دو مستثنیات کے رفتارِ زمانہ سے ماہر ہیں۔ ہز مجسٹی امیر کی زبردست طاقت کی یہ حالت ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی گورنمنٹیں اُن کی بغیر استرضا کوئی معاہدہ افغانستان کے متعلق نہیں کر سکتی ہیں۔ اور جو کر بھی لیتی ہیں تو ہز مجسٹی کی رضامندی درکنار دو دو سال تک جواب بھی نہیں حاصل کر سکتیں۔ باوجودیکہ افغانستان میں فرمانروا کو خود مختارانہ اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن وہ اپنی خوشی سے رعایا کو شریک و سہیم حکومت بنا رہے ہیں۔ اسی سازش کے موقع پر بآسانی ممکن تھا کہ سازشیوں کی فوراً گردن اُڑا دی جاتی لیکن اُنھوں نے تمام ذی اثر سرداروں کے سامنے پبلک طور پر تحقیقات کی اور بقدرِ جرم سزا دی۔ تاجدارِ افغانستان تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھتا ہے اُن کے حالات کا علم رکھتا ہے۔ اُن کے دکھ درد سے ہمدردی کرتا ہے۔ ایک تازہ مثال وہ امداد ہے جو مصیبت زدگان طغیانی حیدرآباد کے لیے بلا کسی درخواست کے دی گئی۔ جب افغان جیسی بہادر قوم پر ایسا عالی دماغ، مدبر، ہمدرد فرمانروا حکمران ہو اور اُس کی شاہی خاندان میں اُسی کے جیسے شاہزادے موجود ہوں تو بھلا وہ

اپنی چمک دمک سے کل دنیائے اسلام پر ضیا گستری کیوں نہ کریگی یہ ممکن بلکہ یقینی ہے کہ بہت ہی جلد افغانی جاہ و جلال و عظمت و شان کی دھاک صفحۂ گیتی پر بیٹھ جائیگی۔ اسلام میں ایک نیا زرنگار دور پیدا ہوگا اور دہلی، غرناطہ، بغداد، سمرقند وغیرہ کی شان و شوکت و علم و ہنر کا سراغ کابل میں ملیگا۔

يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون ﴿﴾

محمد مظہر

نقل مراسلہ دفتر نظامت تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی واقع ۸ ۔ فروری ۱۳۲۷ف

نشان (۵۶۲)

مقصد

منجانب .... ناظم تعلیمات ملک سرکار عالی

بخدمت معتمد صاحب انجمن طلبہ قدیم دار العلوم — اظہار رائے بر کتاب بزم انجم

بسلسہ مراسلہ دفتر ہذا نشان ۲۹۷۶ واقع ۳۰ ۔ شہریور ۱۳۲۶ف نگارش ہے کہ

کہ صدر مجلس انتخاب کتب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ "بزم انجم" کتب خانہ جات دار العلوم علیا، مدارس فوقانیہ مشرقی و انگریزی و وسطانیہ انگریزی و ملکی و مدرسہ تعلیم المعلمین و مدارس صنعت و حرفت و مدرسہ انجینری کے کتب خانہ جات مین رکھی جائے۔ فقط

شرحد ستخط

(مولوی) نظیر حسین (صاحب) فاروقی

مددگار ناظم تعلیمات

ع یہ کتاب فہرست کتب خانہ جات میں شریک ہو چکی ہے دار الکتب صحیفہ واقع سٹرک اسٹیشن حیدرآباد دکن سے ۴ہ میں ملسکتی ہے۔

اقتباس روئداد مجلس انتخاب کتب (...... رنگون ......)

منعقدہ (۳۰) جون ۱۹۲۱ء

ب شریک معتمد انجمن طلبہ قدیم دارالعلوم کے پاس سے کتب ذیل وصول ہوئے

(۱) بزم انجم مولفہ مولوی عبدالرب .... (۴/)

(۲) سوانح مصطفویؐ مولفہ مولوی مظہر .... (۴/)

(۳) اخلاق رسالت پناہیؐ مولفہ مظہر (۲/۶/)

(۴) میلاد خاتم النبیینؐ مولفہ مولوی مرتضیٰ (۱/۶/)

(۵) تذکرہ ملا عبدالقیوم صاحب (مرتبہ انجمن) (۴/)

(۶) سیرۃ المحمود مولفہ مولوی عزیز مرزا بی اے (۸/)

تجویز ہوئی کہ مصنفوں یا پبلیشروں کو مطلع کردیا جائے کہ کتب مندرجہ نشان ب از (۱) تا (۶) پسند کی گئیں ہیں کتب منتخبہ مجلس انتخاب کتب کی فہرست میں شامل کرلی جائیں ۔

کتب مندرجہ بالا دارالکتب صحیفہ مرک اسٹیشن حیدرآباد دکن سے ملسکتی ہیں ۔

(۰)

مسلمانوں کیلئے

ایمان کی بات

از "مشرق" ۱۱ مئی ۱۹۲۲ء

مطبوعہ مطبع حکیم برہم واقع گورکھپور

[illegible]

۱۰۸۰۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہمارے پاس ایک فتوی جناب مولانا حکیم حاجی عبدالعزیز خان بہرائچی کا آیا ہے اس فتوی میں یہ بتایا گیا ہے کہ "کسی سلطنت کی نوکری محض فرماں رواکے عیسائی مذہب ہونے کی بنیاد پر حرام نہیں ہے۔ اگر مسلمانوں کے فرائض مذہبی کی ادائگی میں حکومت کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جاتی ہو"

محقق مفتی نے اس مسئلہ کی کافی تحقیق کی ہے، اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا تاریخی ثبوت بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل سے دیا ہے، ہمارے خیال میں جو لوگ کہ شورش و فتنہ کے لئے مسائل شرعیہ میں تاویل کے عادی ہو گئے ہیں ان کو چاہیئے کہ وہ اس کو غور سے پڑھیں، اور اپنے حرکات ذمیمہ سے باز آئیں، ہندی سیاسی جد و جہد اور چیز ہے، اور مسائل شرعیہ کی حیثیت جداگانہ ہے، ہر شخص اپنے قول و عمل میں خود مختار ہے، لیکن اس کو اپنے اعمال تقیہ کے اثبات و جواز کے لئے احکام مذہبی کی تاویل نہ کرنی چاہیئے۔ اس سے ایک طرف تو مذہب پر حرف آنکھ والے اغیار کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے، دوسری طرف پبلک کو اس سے مطالبہ ثبوت کا حق حاصل ہوتا ہے، اور جب ثبوت طلب ہوتا ہے تو بجائے دلائل کے گالیوں سے اثبات مدعا کیا جاتا ہے، یا سکوت محض ہوتا ہے جو در اصل اعتراف عجز ہے۔

جمعیت علمائے خلافت کو چاہیئے کہ وہ مدلل تحریروں کا جواب استدلال کے ساتھ دے تاکہ حق و باطل میں التباس نہو۔ ہم کو افسوس ہے کہ مولانا محمد یٰسین صاحب عباسی چریاکوٹی کے بار بار اعلان و اشتہار کے باوجود کسی صاحب کو میدان تحقیق میں آنے کی جرات نہوئی۔ بہرصورت ہم اس فتوی کو صرف اس لئے شایع کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو نفس مسئلہ معلوم ہو جائے، البتہ اگر اس میں کچھ غلطی ہو تو محققین کو چاہیئے کہ اس پر بحث کریں،

عرصہ ہوا کہ اسی قسم کے مضامین کا ایک نہایت مدلل و مشرح فتوی مولانا محمد حسین صاحب کا بھی آیا تھا، جس پر شمس العلما مولانا عبدالمجید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور شمس العلما مولانا عبدالحمید صاحب فرنگی محلی نے ایک زبردست تائید [illegible] عبارت لکھی ؟

مولانا بدرالدین صاحب علی گڑھی، اور مولانا عبدالشکور صاحب [illegible] نے بھی اپنی اپنی تائیدی عبارتیں لکھی ہیں، مولانا محمد یسین صاحب نے [illegible] سے خطوط بھی ہم کو دکھلائے تھے جو ہندوستان کے مشاہیر علماء کے لکھے ہوئے تھے کہ [illegible] آپ نے صحیح لکھا ہے مگر ہم عوام کی شورش اور انکی زیادتی سے مجبور ہیں اس [illegible] دستخط نہیں کر سکتے" مولانا محمد یسین صاحب نے ہندوستان کے [illegible] سے ان مسائل میں بالمشافہ گفتگو بھی کی ہے اکثر نے [illegible] سب مؤید ہیں مگر سب کے سب شورش اور عوام سے [illegible] سے کچھ بھی اس کی تائید کیجائیگی تو عوام معلوم نہیں [illegible] اخلاقی جرأت پر متحیر ہیں کہ کیونکر ان مظالم کی پروا نہ کرکے [illegible] حق کا [illegible] ظاہر کرتے ہیں

ہم ان فتوؤں کو بھی جناب مولانا حکیم حاجی عبدالعزیز صاحب کے فتوی کے بعد درج کرتے ہیں تاکہ مسائل حاضرہ کی تحقیقات [illegible] ہو جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اعصار خلافت سے [illegible] مسلّم [illegible] ہیں، پھر بھی علمائے مذہب کی یہ شان ہونی چاہئے کہ وہ کسی کے خوف اعلائے کلمۂ حق سے باز رہیں، یہ امر ضرور ہے کہ ہندوستان [illegible] پانچ فی صدی اس تحریک میں شریک ہیں، باقی سب [illegible] علیحدہ ہیں، جمعیت علما کے فتوی کا اثر عوام اور انگریزی داں جماعت پر تو کچھ ہوا بھی مگر خود علماء پر کچھ بھی نہ ہوا، اور اکثر ارباب علم سرکاری و امدادی مدارس میں ملازم ہیں۔ ممکن ہے کہ جہلا ان کو ملازمت کی پابندیوں کی وجہ سے معذور سمجھتے ہوں، اگر ہم انکو کسی طرح حرام خور کہنے پر تیار نہیں ہیں، ہم کو یہ یقین ہے کہ یہ لوگ جمعیت کے اس نسخہ کو بانگ بے ہنگام سے زیادہ وقیع نہیں سمجھتے ہیں۔

حکیم رحیم ایڈیٹر مشرق گورکھپور

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایسے ملک میں جہاں کا بادشاہ

غیر مسلم ہو جہاں مسلمان بکثرت آباد ہوں، مسلمانوں کو مذہبی فرائض کی ادائگی میں پوری پوری آزادی حاصل ہو، اُس ملک میں حفاظت جان و مال رعایا کے لئے پولیس و فوج بھی قائم ہو جس میں مسلمان بھی شامل ہوں، مسلمانوں کو پولیس و فوج میں ملازمت کرنا جائز ہے یا کہ ناجائز ہے۔ جواب بحوالہ آیات و احادیث یا اقوال ائمہ اربعہ کے اور مجتہدین کے دیا جائے بینوا و توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین

جس بادشاہ کی سائل مستفتی نے تصریح صفات کی ہے وہ بادشاہ عادل ہے اور عادل بادشاہ کی تعریف عالی حضور سرور کائنات صلعم نے فرمائی تھی، لہذا ایسے عادل بادشاہ کی ملازمت عام اس سے کہ وہ کسی شعبہ صیغہ کی ہو عند الشرع جائز ہے، ہاں وہ نوکری ایسی نہ ہو جس سے مراسم شرعیہ کی بجا آوری نہ ہو سکے، اور تنخواہ وجہ حلال سے ہو، اُسکی توثیق کے لئے کسی آیت و حدیث یا قول فقہا یا ائمہ مجتہدین کے ذکر کرنیکی ذرا ضرورت نہیں تھی۔ البتہ ایک ذکر سناتا ہوں کہ جو حضور کے عہد کا ہے جس کا نشان کتب احادیث و اسفار تاریخ معتبرہ میں ہے، وہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ اور قریش نے اپنی باطل پرستی کے حکم باطل پر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم و تشدد کرنا شروع کیا تو حضور نے کچھ نے اپنے ہمراہیوں کے حفظ جان و مال کے خیال سے حکم فرمایا کہ ملک حبشہ کو چلے جاؤ اور وجہ جائز کمائی کرو، وہ ملک دار الامن ہے اور وہاں کا بادشاہ عادل ہے، اگرچہ غیر مسلم عیسائی ہو، جب مہاجرین وہاں پہنچے تو بادشاہ عادل نے اُنکی نہایت مرتبہ نگہداشت کی، اہل مکہ کو یہ مراعات شاق گزریں، سازش کی کہ مہاجرین کو واپس لے آئیں، مگر ناکام رہے، بعض اُنھوں نے قوم عیسائی ہم مذہب بادشاہ کو بہکایا اور بھڑکا تو عیسائی مستعد قتال و جدال ہو کے باغی ہو گئے، اور بادشاہ کی سرکوبی کے لئے جنگ کی

(جن میں حضرت جعفر طیار برادر عم زاد رسالت مآب صلعم و صحابیہ حضرت پیغمبر و حضرت
عثمان خلیفہ سوم داماد پیغمبر صلعم تھے) بادشاہ حبشہ کے ساتھ باغیوں سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے
اور فوج میں بھرتی ہوئے اور محلات شاہی کی نگہبانی (کانسٹیبلی پولیس) بھی کی تھی۔ بالآخر بادشاہ
اپنے باغیوں پر کامیاب ہوا۔ بعد ازاں جب ان مہاجرین کو جن کی تعداد بہت زیادہ تھی یہ
معلوم ہوئی کہ اب مکہ میں امن ہے تو اپنی واپسی کیلئے بادشاہ مرحوم سے اجازت چاہی جس نے
بصلۂ خدمات فوجیہ و پولیس کے زاد سفر [illegible] کا [illegible]
اور شکریہ خدمات مہاجرین موصوفین کے بطور تحفہ (۱) [illegible] (۲) [illegible]
[illegible] (۳) والدہ حضرت ابراہیم پسر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۴) [illegible]
[illegible] حسان بن ثابت [illegible] دیگر قسم [illegible] حضور نبوت پناہ [illegible]
کے [illegible] حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] قبول فرمایا۔
دیکھو سیرۃ ابن ہشام و السیرۃ الحلبیہ [illegible] تاریخ الخمیس [illegible] والیثرب، طبری [illegible]
کو [illegible] فرمائے [illegible] اس نظر سے ناظرین مطمئن ہو گئے ہونگے تاہم
دو حدیثیں [illegible] عرض کرتا ہوں [illegible] مسلمانوں کو یقین ہو جائے گا کہ اطاعت امیر وقت
(بادشاہ عادل) واجب [illegible] اس سے [illegible] حکم شرعیہ [illegible]

(۱) من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن
یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی (صحیح نسائی)

ترجمہ۔ جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی، اور جس نے میری
نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امیر (بادشاہ وقت) کی اطاعت کی اس نے
میری اطاعت کی اور جو امیر کا نافرمان ہوا وہ میرا نافرمان ہوا۔

پس جو شخص بیعت وفاداری میں رہ کر جو مقرر کردہ امیر وقت محض فاسق بادشاہ کی نسبت) نوکری ترک کرے یا تارک وطن ہو جائے وہ اس وعید میں داخل ہو گیا۔

۲۱ من خرج من الطاعۃ وفارق الجماعۃ مات میتۃ جاھلیۃ

ترجمہ: جو شخص طاعت سے باہر ہو جائے اور جماعت سے جدا ہو اور اس حال میں مرے تو اس کی موت جاہلیت کی ہے۔

لہذا اگر کوئی ملازمت سے علیحدہ ہوا تو وہ خارج اطاعت بادشاہ وقت کے ہوا اس کی مرنگیں جاہلیت کی موت ہے (خدا ہر مسلمان کو ایسی بری موت سے بچائے) کیونکہ غدر و بغاوت و غدر گمراہی بڑا گناہ ہے جسکو ضرورت ہو تحقیق الحمید کو ملاحظہ فرمائے

پولیس اور فوج کی نوکری چھوڑنے والے کو ضرور اس آیت کی تعمیل و احترام کا خیال رکھنا چاہئے۔ واوفوا بعہد اللہ "اور وفا کرو عہد خدا کا" اذا عاھدتم "جب تم نے عہد کیا" ولا تنقضوا الایمان " اور نہ توڑو اپنی قسموں کو" بعد توکیدھا "بعد مضبوطی کے" (الآیۃ)

جب خدا کے درمیان دیگر ملازمت شرعی کی اور اپنے آقا کے نعمت کی بجا آوری احکام کا عہد کیا تو نقض عہد نہ کرنا چاہئے اسی کو گمراہی و غداری و بغاوت کہتے ہیں بغاوت و غداری کا ذکر درمختار میں دیکھ لیجئے کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نقض معاہدہ کو بے حد ناپسند فرمایا تھا۔ اب سائل کو قرآن و حدیث و فقہ کے مطابق پر وقوف ہو گیا تو تشریح کی ضرورت نہیں ہے

ہو گئے ہوتے مصطفی کی گفتار　　مت مان کسی کا قول زنہار

میرے مرشد شیخ نے ہند کو دار الامن فرمایا اور بادشاہ وقت کی نوکری کرنے

نہیں کیا، ہاں ندوہ نوکری خراب اور قابل ترک ہے جس میں مراسم شرعیہ کی بجا آوری نہ ہوسکے باوجود اس کے اگر کوئی نہ جانے تو لا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا "اور اصلاح کے بعد زمین پر فساد نہ پھیلاؤ" ولا تعثوا فی الارض مفسدین "اور نہ پھرو زمین پر فساد کرتے ہوئے" کی وعید سے ڈرے، بس اسی قدر کافی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

کتبہ خادم الکتاب والسنۃ ابو حمید رضوی کان اللہ لہ

بکم رجب المرجب ۱۳۴۳ھ فی الصمدیہ

مجھے فاضل مجیب کے فتویٰ سے اتفاق ہے، کیونکہ مولانا الحافظ الحاج محمد عبد الحی حنفی لکھنوی (قدس اللہ سرہ) نے ہندوستان کو دار الاسلام فرمایا ہے، اور اب بھی آثار و شرائط وہ پائے جاتے جسکا خزانۃ المفتین، طحطاوی شرح درمختار میں بیان ہے، علی ہذا غیر مسلم سلطنت بالخصوص انگریزوں کی نوکری کو جائز فرمایا جبکہ اجرائے احکام ظلم وغیرہ کا نہ ہو جسمیں حوالہ تفسیر جامع البیان احکام الاراضی کا ہے، فتاوٰے جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ و ۱۶۱ و ۱۶۲ ملاحظہ فرمایا جائے جس سے پایا جاتا ہے کہ ہر قسم کی ملازمت انگریزوں کی جائز اور روا و مباح ہے، جب انگریزوں کی نوکری کے جواز کا فتویٰ ہو چکا ہے تو دوسرے بادشاہ غیر مسلم کا کیا ذکر ہے۔ عبدہ ابو عزیز السید محمد ... عفا عنہ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علمائے کرام و مفتیان عظام مسائل ذیل میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

سوال۔ ہندوستان کی موجودہ گورنمنٹ (حکومت) مسلمانوں کے مذہبی فرائض کو بجا لا سکتی ہے یا نہیں، موجودہ حکومت احکام مذہبی کی خلاف ورزی اور قرآن و حدیث کی عدول

حکمی پر مسلمانوں کو مجبور کرتی ہو یا نہیں۔

جواب۔ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے یعنی موجودہ سلطنت کی طرف سے اسوقت تک مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں نہ تو کسی قسم کی رکاوٹ ڈالی گئی ہے اور نہ اس سلطنت نے کوئی ایسا حکم جاری کیا ہے جسکی وجہ سے ادائے فرائض میں کوئی رکاوٹ واقع ہو اور نہ کسی حرام کام پر مسلمان مجبور کئے جاتے ہیں۔ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی تعمیل اور اُن کی بجاآوری میں بالکل آزاد ہیں، نہ اوامر میں رکاوٹ ہے اور نہ نواہی کے ارتکاب کا حکم ہے۔

سوال۔ موجودہ سلطنت سے بغاوت کرنا اور اُسکے ایسے احکام کی نافرمانی کرنا جو احکام شرعیہ کے خلاف نہوں جائز ہے یا نہیں، قانون شکنی اور حکومت سے عدول حکمی کرنا کس صورت میں جائز ہے

جواب۔ سلطنت کی نافرمانی اور عدول حکمی اُسوقت تک جائز نہیں ہے جبتک کہ فرائض مذہبی کے ترک اور فواحش صریحہ کے ارتکاب پر نہ ہو۔ عدول حکمی یا انتظامی ملکی قوانین میں تعرض غدر و بغاوت کے ہم معنی ہے اور یہ مذہب اسلام میں حرام ہے۔ جو شخص کہ مسلمان ہوگا اُس کو اس سے بھی اُسی طرح بچنا چاہئے جیسے دوسرے حرام کاموں سے بچنا ضروری ہے۔ اور قوانین کی عدول حکمی اور نافرمانی پر اُسی طرح مستحق عذاب ہیں جیسے کہ زنا و شراب وغیرہ۔

ہدایہ۔ اذا دخل المسلم دار الحرب تاجرا فلا یحل له ان یتعرض لشیء من اموالهم ولا من دمائهم لانه ضمن ان لا یتعرض لهم بالاستیمان فالتعرض بعد ذلك غدر والغدر حرام۔

ترجمہ "جب کوئی مسلمان بمقام دار الحرب میں بطور تاجر داخل ہو تو اس کے لئے کفار شہر کے جان و مال سے تعرض کرنا جائز نہیں، کیونکہ وہ امن کا ضامن ہوا اور تعرض اسکے بعد غدر ہے۔ اور غدر حرام ہے"

کفار تاتار نے جب اسلامی بلاد پر قبضہ کیا تھا اور مسلمانوں کو امن عام دیدیا تھا اُسوقت کے تمام علماء نے متفقہ طور پر یہ فتویٰ دیدیا تھا کہ حکومت کے احکام کی تعمیل علماء پر فرض ہے۔ کفار تاتار وہ تھے جنہوں نے بغداد کی سلطنت خلافت کو تباہ کردیا تھا اور دنیائے اسلام کو مٹا دینے کے کوشاں تھے۔

اور کروروں مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا، اور قرآن پاک کے نسخوں نیز تمام مذہبی کتابوں کو برباد کر دیا تھا۔
جو لوگ کہ آجکل لوگوں کو قانون شکنی اور عدول حکمی پر ابھارتے ہیں اور اسکو مذہبی حکم بتاتے ہیں وہ یا تو ناواقف ہیں، یا کسی خارجی اثر سے متاثر ہو کر ایسا کرتے ہیں اور غلط فتوی دیتے ہیں کیونکہ اسلام امن و صلح کی تعلیم کرتا ہے اور اس سے زیادہ کسی مذہب میں وفائے عہد اور سلامت روی وضع داری اور اعتدال پسندی و امن کی تاکید نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ مذہب اسلام موجودہ قسم کی عدول حکمی نافرمانی پر مجبور کرتا ہے، یہ اسلام پر حملہ کرنا ہے اور اس کی پاک تعلیم کے منافی ہے اور مسلمانوں کی بربادی و تباہی کی کوشش ہے۔
مسلمان کئی صدی سے امن و عافیت کیساتھ ایسے مقامات میں آباد ہیں جہاں غیر مسلم اقوام کی حکومت ہے، یہ حکومتیں مسلمانوں کے وفائے عہد اور امن پسندی کی وجہ سے قدر کرتی ہیں اور اُن کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے لیکن اب یہ تعلیم جو آجکل اس ملک میں پھیلائی جا رہی ہے ایک طرف مذہب پر ایک نہایت بدنما اور مکروہ دھبہ لگاتی ہے تو دوسری طرف ہر سلطنت کو مسلمانوں کی طرف سے بدگمان کرتی ہے، اس کا یہ مطلب ہوگا کہ کوئی قوم اپنے ملک میں مسلمانوں کو امن و آسایش سے نہ رہنے دیگی، اور ہر قوم انکی قوت کو خطرہ کی نظر سے دیکھے گی۔
موجودہ شورش اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے پردہ میں ان دونوں کی بیخ کنی کر رہی ہے خداوند عالم نے تو اپنی رحمت کاملہ سے ایک رسول کو دنیا میں پیغام رحمت لیکر بھیجا۔
ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے بھی ملکی قانون کی پابندی ضروری ہے۔ (جیسا کہ فتح القدیر میں ہے) لیکن ہندوستان تو دار الحرب ہی نہیں ہے اور نہ کسی طرح فقہی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے بلکہ دار الاسلام ہے جیسا کہ فقہائے کبار اور اسلاف کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔

ثلث لا یبقی فیہا مسلم او ذمی امنا بالامان الاول [illegible] واتصالہا بدار حرب

الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام [illegible] اہل الاسلام فیہا کجمعۃ وعید۔

ترجمہ - دار الاسلام دار الحرب تین صورتوں میں ہوجاتا ہے - دوسرا جراء احکام اہل شرک دوسرے یہ کہ کوئی

مسلم یا ذمی امن کے ساتھ باقی نہ رہے - تیسرے اتصال دار الحرب کے ساتھ - اور دار الحرب دار الاسلام

ہوجاتا ہے اجراء احکام اسلام کے سبب مثلاً جمعہ و عید -

طحطاوی - قولہ باجراء احکام الشرک ای علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم فیہا بحکم

اہل الاسلام ہندیہ وظاہرہ انہ لو اجریت احکام المسلمین واحکام اہل الشرک لا تکون دار حرب

ترجمہ - متن کا قول اجراء احکام الشرک یعنی اجرا بطور اشتہار [illegible] اسلامی حکم جاری نہو ہندیہ

اس کا صاف مطلب یہ ہے اگر اسلامی اور غیر اسلامی احکام کا اجرا ہوگا تو دار الحرب نہوگا -

یہ چند کتابوں کا حوالہ مختصر ہے باقی دار اطمینان تحقیق کے لئے ذیل کی کتابوں کو جو نہایت

معتبر کتابیں ہیں دیکھو شرح زیادات [illegible] در المختار شرح ہدایہ خزانۃ المفتین [illegible]

انکے علاوہ اور فقہی کتابوں میں بھی ہے ہندوستان کے مشاہیر علماء [illegible] بھی اسکے موید

ہیں مجموعۃ الفتاوی مولانا مولوی محمد عبد الحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ [illegible]

کہ بلاد ہند کہ در تصرف نصاری اند بلاد اسلام ہستند و شرط بودن دار الاسلام دار الحرب [illegible]

موجود نیست [illegible] استاذ الاساتذہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ

العزیز بھی اسکے موید ہیں جیسا کہ انکے شایع شدہ فتوی کا اقتباس ہے [illegible] امام اعظم

رضی اللہ تعالی عنہ بلکہ علماء ثلثہ [illegible] ہندوستان دار الاسلام ہے

دار الحرب نہیں ہے [illegible] انگریزی حکومت [illegible] لیکن ہندوستان

کے کسی عالم نے اسکو دار الحرب [illegible] عہد حکومت [illegible] علما و صلحا [illegible]

ہیں اور اب بھی ان سلاطین کے [illegible] موجود ہیں کسی نے بھی [illegible] دار الحرب [illegible]

اور [illegible] پابندی قانون کی [illegible] [illegible]

بزازیہ قال السید الامام والبلاد التی فی ایدی الکفرة الیوم بلاد الاسلام بعد لا اتصالها ببلاد الحرب لم یظهروا فیها احکام الکفر بل القضاة مسلمون اما البلاد التی علیها ولاة المسلم من جهتهم تجوز اقامة الجمعة والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم واما البلاد التی علیها ولاة کفار فیجوز فیها اقامة الجمعة والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین وقد تقرر ان بقاء شئ من العلة یبقی الحکم وقد حکمنا بلا خلاف بان هذه الدیار قبل استیلاء الکفار کانت من دیار الاسلام وبعد الاستیلاء اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکهم فالحکم بانها من دار الحرب لا وجه له ... واعلان بیع الخمور واخذ الضرائب المکوس الحکم من المتغلبین بحکم التتاریخ کلا انہ قرینة لطلب الطاغوت ومع ذلک کانت بلاد الاسلام بلا ریب ذکر الحلوانی انما تصیر دار الاسلام دار الحرب ان لا یبقی فیها مسلم ولا ذمی امنا بالامان الاول فاذا وجدت الشرائط کلها صارت دار حرب وعند تعارض الادلة والشرائط یبقی ما کان او یترجح جانب الاسلام احتیاطا

ترجمہ: "سید امام نے کہا ہے کہ جو ممالک کہ ان دنوں کفار کے قبضہ میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں باوجود دار الحرب سے اتصال کے۔ اور اگرچہ ان میں احکام کفر کا ظہور ہو رہا ہے قاضی مسلمان ہیں۔ لیکن وہ ممالک جن پر مسلمان حاکم ہیں نماز جمعہ عیدین جائز ہے۔ اسی طرح خراج کا لینا اور قاضی کا تقرر اور عقد بیوگان وغیرہ کا نکاح بھی درست ہے۔ اور وہ ممالک کہ جن پر غیر مسلم حکام ہیں انمیں بھی جمعہ عیدین کی نماز جائز ہے اور جمعہ عیدین کی نماز دار الحرب میں جائز ہے اور قاضی مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا۔ یہ طے ہو چکا ہے کہ جزو سبب کے باقی رہنے سے حکم باقی رہیگا۔ اور ہمنے بلا اختلاف بتا دیا ہے کہ یہ ممالک کفار کے تسلط سے پہلے دار الاسلام تھے۔ اب ان کے قبضہ کے بعد علانیہ اذان، جمعہ جماعت کا قیام اور شرعی احکام کے مطابق فیصلہ، فتوی و درس تدریس سلاطین کی جانب سے جاری ہے تو اب ان کو دار الحرب کہنا درایۃ و روایۃ کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں ہے۔ اور مے فروشی وغیرہ کا اعلان بھی ... کے اعلان کی طرح سمجھا جائیگا۔ اور جیسا کہ وہ باوجود اسکے دار الاسلام تھے یہ بھی ہوگا۔ امام حلوانی نے کہا ہے کہ دار الاسلام دار الحرب نہیں ہوسکتا ہے جبتک کہ اس میں کوئی مسلمان یا ذمی امان اول پر مامون رہے۔ پس جبکہ تمام شرطیں پائی جائیں گی تو دار الحرب ہو جائیگا۔ اور دلائل اور شرطوں میں اگر تناقض ہو گا یعنی کچھ شرطیں پائی جاتی ہوں اور کچھ نہیں۔ تو پہلی صورت باقی رہیگا۔ اور اسلامی پہلو کو ترجیح دیجائیگی۔"

درمختار — لا تصیر دار الاسلام دار حرب الا بامور ثلاثة باجراء احکام ...

مدارس میں کہ امداد ملتی ہو ان میں تعلیم دینا اور تعلیم حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں۔

جواب۔ امداد لینا بھی جائز ہے اور تعلیم و تعلم بھی جائز ہے، اسکی ناجوازی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

الجواب محمد یٰسین عباسی ، چڑیاکوٹی

ھو الموفق ۔ اسمیں شک نہیں کہ موجودہ سلطنت بلاد ہند پر قابض ہو کر بجا طور پر انکے فرائض مذہبی سے روکتی نہیں ، بلکہ شعائر اسلامیہ ارکان شرعیہ نہایت امن و امان اور کمال اطمینان کیساتھ مسلمانوں میں جاری ہیں ، اور مراسم کفر کے اثر کا غلبہ دوسرے کو دینی مجبوری پر آمادہ نہیں کیجاتی ، ہندایہ ہندوستان فی الحال دار الحرب نہیں ہے بلکہ دار الاسلام ہے ۔ علامہ حقانی شرح زیادات میں فرماتے ہیں دار الاسلام انما تصیر دار الحرب بثلث شرائط احدھا اجراء احکام الکفر علی سبیل الاشتہار وان لا یحکم فیھا بحکم الاسلام والثانی ان تکون متصلۃ بدار الحرب لا یتخلل بینھا بلدۃ من بلاد المسلمین والثالث ان لا یبقی فیھا مسلم ولا ذمی آمنا بالامان الاول [illegible] الشرائط لیکون [illegible] تمام القہر [illegible] دار الاسلام [illegible] الاحتیاط لا ثباتہ لھا [illegible] [illegible] داراً للاسلام والاحتیاط [illegible] [illegible] دار الاسلام دار حرب انتہی ۔ اور رد المحتار میں معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے ۔ البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد حرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر [illegible] ولا مسلم [illegible] [illegible]
پس سلطنت [illegible] کو [illegible] تمام احکام [illegible] خلاف سے زیادتی کرنا [illegible] [illegible] [illegible] کرنا عین غداری ہے جو ہماری شریعت [illegible] فی الھدایۃ ورد المحتار وغیرھما من الاسفار الغدر حرام انتہی وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل غادر لواء یوم القیامۃ یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولا غادر اعظم غدرا من امیر عامۃ رواہ مسلم [illegible] عبد اللہ [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہ [illegible] [illegible] الی [illegible]
اور مسلمانوں کو اپنے مدارس اور تعلیم کا ہوں میں موجودہ سلطنت سے امداد حاصل کرنا [illegible]

سوال: غیر مسلم کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟

جواب - جائز ہے چنانچہ مولانا محمد عبدالحی صاحب فرنگی محلی مرحوم نے اسکا فتوی دیا ہے، اور علاوہ قرآن پاک میں سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی ملازمت کا حال لکھا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے نفع رسانی خلق کے لئے فرعون مصر کی نوکری کی حضرت یوسف پیغمبر تھے وہ فرعون کے نوکر تھے چنانچہ علما نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلم خواہ وہ کیسا ہی بت پرست کیوں نہ ہو اسکی ملازمت فی نفسہ جائز ہے اور نفس نوکری علی الاطلاق حرام نہیں ہے کفار تاتار [illegible] کے وقت میں مشاہیر علما نے انکی ملازمت اختیار کر لی تھی اسوقت کی معتمد تصانیف میں [illegible] کا ذکر نہیں ہے حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر سے دو خاص فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں، ایک یہ کہ غیر مسلم کی ملازمت جائز ہے دوسرے یہ کہ کسی سلطنت میں رہ کر اسکے قواعد کی پابندی تا مقدور کرنی چاہئے اور جبتک کہ تصریحاً [illegible] کسی رکن شرعی کو منہدم کرنے پر مجبور نہ کیا جائے اسوقت تک [illegible] چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو [illegible] ملک کے قانون [illegible] اور جلیل القدر نبی کو انکے والدین نے جو خود بھی نبی تھے سجدہ کیا، فقہا و مفسرین نے اس سجدہ کی مختلف تاویلیں کی ہیں مجھکو اس موقع پر ان تاویلوں کی بحث نہیں ہے میری غرض صرف یہ ہے کہ سجدہ لغیر اللہ حرام ہے پھر کیسے ایک نبی نے غیر خدا کو سجدہ کیا، اور حضرت یوسف نے کیسے [illegible] ملک کے قانون کو باقی رکھنے کے لئے بظاہر مسجود بننا پسند کیا، اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ [illegible] حکم کی ظاہری تعمیل کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت [illegible] کی ہے۔ فتاوی بزازیہ کی یہ عبارت کہ اما البلاد التی علیها ولاۃ [illegible] تجوز فیها اقامة الجمعة [illegible] بتاتی ہے کہ غیر مسلم کی ملازمت جائز ہے۔

سوال: تعلیم گاہوں [illegible] موجودہ گورنمنٹ سے امداد لینی جائز ہے یا نہیں [illegible]

ثابت ہوتا ہے صحیح ... عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال الائمة من قریش
ما حکموا فعدلوا ووعدوا فوفوا واسترحموا فرحموا الحدیث رواه احمد و ابو یعلی فی مسندیهما
والطبرانی انتهی - اور صحیح مسلم میں ہے عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم
الناس تبع لقریش فی هذا الشان مسلمهم تبع لمسلمهم وکافرهم تبع لکافرهم وقال رسول الله صلی
الله علیه وسلم الناس تبع لقریش فی هذا الشان مسلمهم تبع لمسلمهم وکافرهم تبع لکافرهم
وقال النبی صلی الله علیه وسلم الناس تبع لقریش فی الخیر والشر وقال رسول الله صلی الله علیه
وسلم لا یزال هذا الامر فی قریش ما بقی من الناس اثنان انتهی ملتقطا - ان احادیث کے تحت میں
حضرت مولانا محیی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف نووی رحمة الله الولی النووی شرح صحیح مسلم میں
فرماتے ہیں - هذه الاحادیث واشباهها دلیل ظاهر علی ان الخلافة مختصة بقریش لا یجوز
عقدها لاحد من غیرهم وعلی هذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابة وکذلک بعدهم
ومن خالف فیه من اهل البدع او عرض بخلاف من غیرهم فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعین
بالاحادیث الصحیحة قال القاضی اشتراط کونه قرشیا هو مذهب العلماء کافة قال
وقد احتج به ابو بکر وعمر علی الانصار یوم السقیفة فلم ینکره احد قال القاضی وقد عدها
العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیها قول ولا فعل یخالف ما ذکرنا
وکذلک من بعدهم فی جمیع الاعصار انتهی - اور حضرت ملا علی قاری رحمه الله الباری
شرح فقه اکبر میں تحریر فرماتے ہیں - ثم یشترط الامام ان یکون قرشیا لقوله علیه الصلوة و
السلام الائمة من قریش وهو حدیث مشهور ولیس المراد به الامامة فی الصلوة اتفاقا
فتعینت الامامة الکبری خلافا للخوارج وبعض المعتزلة انتهی - اور تمہید
فی بیان التوحید میں ہے - واجمعنا علی ان الامام من قریش ولا یکون من غیرهم انتهی
فهذه الاجوبة کلها صحیحة بلا ارتیاب ولله در المجیب اللبیب المثاب والله
تعالی اعلم بالصواب وعنده ام الکتاب حرره العبد الحقیر
الاثیم المنیب الی ربه الحکیم مولانا محمد عبد الحلیم خادم العلماء والفقراء
ابو محمد عبد الحمید الانصاری الحنفی القادری النظامی
اصلح الله حاله واحسن مآله بمنه السامی -
صح الجواب والله اعلم - حرره ابو الفضل محمد عبد المجید عفا الله عنه الوحید

محمد عبد الحمید ابو نصر

محمد عبد المجید ابو الفضل

مدارس و تعلیم گاہیں جو سلطنت میں ہیں جائز تعلیم حاصل کرنا جائز ہے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ عدو لشکر اسلام
[illegible] یا امام اکبر کو اگر کوئی ہدیہ بھیجے تو اُن مسلم[illegible] دار تو وہ ہدیہ لینا جائز ہے اور وہ ہدیہ
[illegible] مسلمین ہو جائے گا۔ محیط میں ہے۔ قال محمد ما بعثه ملك العدو من الهدية
الى [illegible] جيش المسلمين او الى الامام الاكبر وهو مع جيش المسلمين فانه لا بأس بقبولها
ويصير فيئا للمسلمين انتهى۔ اور یہاں تو موجودہ سلطنت کے ہاتھوں خود ہمارا روپیہ ہمارے
[illegible] کی امداد میں ملتا ہے اور موجودہ سلطنت کی طرف سے امن و امان قائم رکھنے اور
[illegible] کے فرو کرنے [illegible] جن میں عدل و انصاف کے متعلق جو محکمے قائم ہیں اُن میں
[illegible] کے ساتھ اپنے فرائض کو پورا کرنا جائز ہے۔ قال اجعلنی علی خزائن الارض انی
حفيظ عليم کے تحت میں تفسیر کشاف میں ہے۔
[illegible] دليل على انه يجوز ان يتولى الانسان عملا من يد سلطان جائر وقد كان
السلف يتولون القضاء من جهة البغاة ويرونه واذا علم النبي والعالم انه لا سبيل
الى الحكم بامر الله ودفع الظلم الا بتمكين الكافر والفاسق فله ان يستظهر به انتهى ويكذا
فى مدارك التنزيل وسراج المنير والبيضاوى وتفسير الكبير بلکہ ایسی حالت میں
کہ ان تمام محکموں میں مسلمانوں کو علیحدہ ہو جانے دیگر اقوام کفار کی بھرتی اور کثرت سے مسلمانوں
کی حق تلفی و مغلوبیت اور ان کے تمدنی و مذہبی مقاصد کو سخت مضرت پہونچنا یقینی ہے ضرورت ہے
کہ مسلمان لوگ اپنی اپنی لیاقت کے موافق ان محکموں میں بکثرت داخل ہو کر اور اپنی جماعت بڑھا کر
عدل و دیانت کے ساتھ بمقابلہ دیگر اقوام کفار اپنے حقوق کی پوری رعایت و شعار دینیہ کی پوری
حفاظت جستہ جستہ کریں۔
اور حدیث الائمة من قريش نہایت مستند و قابل اعتبار ہے ائمہ محدثین و فقہا متکلمین نے اس کو
تسلیم کیا ہے اور دوسری احادیث بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ سیوطی کی کتاب تاریخ الخلفاء میں ہے

اس بندۂ ضعیف کے نزدیک ہندوستان دار الحرب نہیں ہے، پس جو احکام متعلق بہ دار الحرب ہیں وہ ہندوستان سے متعلق نہیں ہیں۔

گورنمنٹ ہند سے تعلیمی امداد لینا قطعاً جائز ہے، جس کو یہ ضعیف اپنے رسالہ موسومہ "الفرقان" میں مدلل طور پر لکھ چکا ہے۔

گورنمنٹ ہند سے عقد اجارہ جس کو عرف عام میں ملازمت سے تعبیر کرتے ہیں بشروطہا صحیح ہے، یہ مسئلہ بھی "الفرقان" میں مدلل لکھا جا چکا ہے۔

ہذا ما ہو الحق عندی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب، کتبہ محمد بدر الدین عفی لہٗ

استفتا کے مندرجہ چار سوالات کا جواب بصورت اثبات یہ ہے۔

(۱) ہندوستان کی موجودہ حکومت مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے سے بجبر روکتی نہیں، اور نہ ہی قرآن و حدیث کی عدول حکمی پر مجبور کرتی ہے۔

(۲) حکومت موجودہ سے بغاوت کرنا، اور اُس کے احکام متعلقہ حکومت و سلطنت کی نافرمانی کرنا جائز نہیں۔

(۳) گورنمنٹ کی طرف سے جو محکمے بغرض قیام امن اور دفع فساد و شر قائم ہیں اُن میں نوکری کرنا جائز ہے۔

(۴) تعلیم گاہوں اور مدرسوں میں موجودہ گورنمنٹ سے امداد لینے کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں ہے۔

محمد سرور غیر و مدرس مدرسہ احمدیہ قادیان و مفتی جماعت احمدیہ

حافظ روشن علی مدرس مبلغین کلاس و مفتی جماعت احمدیہ

تمام شد